٦ ذی الحجہ ١٣٨٣ھ مطابق ١٩ر اپریل ١٩٦٤ء
قیمت ٢٥ پیسے

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

طوطا کہانی جاریہ

قصہ پہلے طوطے کا۔۔

تمغۂ لصبارت اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ

منظور انور قریشی

کوئی ایک ہفتہ بعد ایک درمیانے قد کا صحت مند مرد شہزادی کے پاس آیا۔ اس کے کپڑے اس قدر میلے کچیلے تھے کہ انہیں دیکھ کر گھن آتی تھی۔ اس نے شہزادی سے شادی کی درخواست کی۔ شہزادی نے مسکرا کر جواب دیا:

"تم نے شادی کے متعلق میری شرط پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیا ہے؟"

مرد نے کہا:۔

"یہی کہ مجھے روزانہ پانچ سو جوتے کھانے پڑیں گے؟ مجھے یہ شرط منظور ہے۔"

اگلے روز شہزادی نے اس سے شادی کر لی۔ اس کے بوسیدہ کپڑے زرق برق لباس میں تبدیل ہو گئے اور وہ بالکل شہزادہ دکھائی دینے لگا۔ اگلی صبح شہزادی نے جوتا اٹھایا اور اپنے نئے نویلے خاوند کے سر پر باآوازِ بلند گن گن کر پورے پانچ سو جوتے رسید کئے۔ میں یہ تماشہ حیرانی سے دیکھتا رہا کیونکہ یہ ایک عجیب سی بات تھی کہ ایک عورت ایک طرف تو ایک شخص کو اپنا خاوند کہے اور دوسری طرف اسے جوتے مارے۔ بہرطور اب یہ معمول ہو گیا تھا کہ شہزادی سکینہ دن بھر اپنے خاوند کی خاطر مدارت میں لگی رہتی اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتی لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے جوتے مارنا بھی نہ بھولتی۔ یہ صورتِ حال کوئی ایک ماہ تک جاری رہی۔ ایک دن شہزادی سکینہ کسی سہیلی کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھی۔ اس کا خاوند ٹہلتا ٹہلتا شیشم کے درخت تلے آ گیا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس شخص سے کہا:

"بھائی یہ کیا چکر ہے؟ یہ روزانہ پانچ سو جوتوں کا راشن کب تک چلے گا؟"

اس شخص نے پہلے تو حیرانی سے میری طرف دیکھا اور پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا:۔

"کیا بتاؤں دوست! بھوکا مر رہا تھا سوچا یہ تھا کہ شادی کے بعد پیٹ بھر کر کھانا تو ملے گا۔ باقی رہ گئی پانچ سو جوتوں کی بات تو میرا خیال تھا کہ شہزادی کو پانچ دس دن کے بعد خود ہی رحم آ جائے گا اور وہ کفش باری سے ہاتھ کھینچ لے گی۔ لیکن میرا یہ اندازہ سراسر غلط ثابت ہوا ہے۔ شہزادی میرے ہر حکم کی تعمیل کرتی ہے لیکن جوتے مارنے کبھی نہیں بھولتی۔ میں تو اس صورتِ حال سے خاصہ پریشان ہوں۔"

مجھے اس شخص کی حالت پر بے حد رحم آیا اور میں نے ازراہ ہمدردی پوچھا تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟ اس شخص نے جواب دیا:

"اب تو راہِ فرار اختیار کرنے کا پروگرام ہے۔"

کوئی چار دن بعد وہ شخص گھر سے بھاگ گیا۔ چونکہ میرا اس سے خاصہ یارانہ ہو گیا تھا اس لئے میں نے بھی اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ ہم دونوں چلتے چلاتے ایک بہت بڑے شہر میں پہنچ گئے اس شخص نے جس کا نام عنایت تھا ایک زیرِ تعمیر مکان میں مزدور کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک درخت تھا میں نے اس پر بسیرا کر لیا۔ شام کو جب وہ کام سے فارغ ہو کر آتا تو ہم دونوں قریب کے ایک پارک میں چلے جاتے اور پہروں شہزادی سکینہ کی باتیں کرتے رہتے اسی طرح دو ماہ گزر گئے۔ ایک شام عنایت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور کہا:

"یار! غضب ہو گیا ہے!"

میں نے پوچھا۔ کیوں خیر تو ہے؟ عنایت نے کہنا شروع کیا:

"میں دوپہر کو اینٹیں سر پر اٹھائے گلی سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور اس نے مجھے میرا نام لے کر پکارا میں اس شخص کو قطعاً نہیں جانتا تھا اس لئے میں نے بڑی حیرانی سے اس سے پوچھا کہ اسے میرے نام کا علم کیسے ہوا ہے اور وہ کون ہے؟ اس شخص نے مسکرا کر مجھے بتایا کہ وہ اصل میں جن ہے اور شہزادی سکینہ کے مکان کے دائیں کونے میں رہتا تھا اس نے مجھے بتایا کہ وہ روز مجھے جوتیاں کھاتے ہوئے دیکھتا رہا ہے۔ ہمارے وہاں سے بھاگنے کے بعد شہزادی نے اس کونے میں زمین پر جوتیاں مارنی شروع کر دیں جہاں وہ جن سویا کرتا تھا۔ چونکہ یہ تمام جوتے اس کے سر پر پڑا کرتے تھے، اس لئے وہ بھی وہاں سے بھاگ آیا ہے۔"

ٹیں۔ٹیں۔ٹیں۔ میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "خوب! تو بھگوڑوں کی تعداد میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا ہے۔" عنایت بھی مسکرایا اور کہا:

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس شہر میں ہماری موجودگی کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے ورنہ بیڑہ غرق ہو جائے گا۔"

میں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں اس جن سے کوئی کام لینا چاہیئے۔ اگلے روز عنایت نے جن سے میری بھی ملاقات کرا دی۔ کافی سوچ بچار کے بعد طے یہ ہوا کہ جن جا کر شہر کے بادشاہ کی بیٹی پر سوار ہو جائے اور اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ عنایت جا کر دم درود نہ کرے اس طرح عنایت بادشاہ سے انعام لے کر باقی ماندہ زندگی عیش سے گزارنے کے قابل ہو جائے گا۔ جن نے اس سلسلہ میں ایک شرط لگائی کہ شہزادی کی گلوخلاصی کے بعد اگر وہ کسی اور پر سوار ہوا تو عنایت کسی صورت اسے نکالنے کے لئے نہیں آئے گا ورنہ وہ اسے کھا جائیگا ہم یہ شرط منظور کر لی۔

کوئی چار دن بعد پورے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ شہزادی کسی پراسرار بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے۔ شاہی حکیموں نے لاکھ سر مارا، لیکن افاقہ نہ ہوا آخر یہ تشخیص کر لی گئی کہ شاہزادی کو آسیب ہے۔ دُور دُور سے عامل بلائے گئے لیکن بات نہ بنی۔ آخر بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص شہزادی کو تندرست کر دے گا اس سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی اور اس کے علاوہ اسے چالیس گاؤں جاگیر کے طور پر دیئے جائیں گے۔ ہم اسی قسم کے کسی اعلان کے منتظر تھے۔ عنایت ایک دن شاہی محل پہنچ گیا اور چوبدار سے کہا کہ وہ آسیب کے علاج کا ماہر ہے اور شہزادی کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ چوبدار نے بادشاہ کو خبر کی اور عنایت کو شاہی محل میں بلا کر شہزادی کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ عنایت نے کمرے میں پہنچ کر تمام لوگوں کو باہر نکل جانے کا حکم دیا تو جن نے اس سے کہا لو دوست اب تم آ گئے ہو اور ہم جا رہے ہیں لیکن یاد رکھنا اس کے بعد میرا پیچھا نہ کرنا ورنہ میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا۔ عنایت نے جن کا شکریہ ادا کیا۔ جن شہزادی کو چھوڑ کر چلا گیا اور وہ چند دن بعد روبصحت ہو گئی اعلان کے مطابق بادشاہ نے اس کی شادی عنایت سے کر دی اور میرا دوست دیکھتے ہی دیکھتے پرنس عنایت بن گیا۔ میں بھی شاہی محل کے ایک درخت پر منتقل ہو گیا اور دن ہنسی خوشی گزرنے لگے۔ جب پرنس عنایت کمرے میں اکیلا ہوتا تو میں چپکے سے اُڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتا اور ہم خوب گپیں ہانکتے۔ اس دوران میری پوزیشن عجیب ہو گئی تھی۔ شہر بھر کے طوطے اپنے اپنے کاموں کے لئے سفارشیں لے کر میرے پاس آتے اور میں پرنس عنایت کی وساطت سے ان کے کام کروا دیتا۔ ایک روز شہر کے معزز طوطوں کا وفد میرے پاس آیا اور عرضداشت پیش کی کہ چونکہ شہر کے باغات خشک سالی کے باعث تباہ ہو گئے ہیں اور پھل نہ ہونے کے باعث وہ فاقوں مر رہے ہیں اس لئے ان کے راشن پانی کا فوری بندوبست کیا جائے ورنہ ان کی تمام نسل تباہ ہو جائے گی۔ چونکہ یہ پوری برادری کے مستقبل کا سوال تھا اس لئے میں نے وفد کی باتوں کو پوری سنجیدگی سے سنا اور ان کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا میں اس سلسلے میں پرنس عنایت سے بات کی اور اس نے اسی وقت حکم جاری کر دیا کہ شاہی محل کے مطبخ میں روزانہ چار من چوری تیار کی جائے اور اسے شہر کے طوطوں میں تقسیم کیا جایا کرے۔ یہ اعلان ہونے کی دیر تھی کہ پورا شہر طوطوں کے نعروں سے گونج اٹھا۔ "شاہی طوطا زندہ باد۔ پرنس عنایت زندہ باد۔" پہلے روز چوری تقسیم کرنے کے کام کی رسمِ افتتاح میں نے ادا کی اور تھوڑی سی چوری کھائی۔ رات کو مجھے کھانسی اور زکام نے دبوچ لیا۔ ساری رات بڑی بے آرامی گزری۔ اگلے روز پتہ چلا کہ شاہی باورچی نے چوری میں ڈالے جانے والے دیسی گھی کے ٹین بازار میں بیچ دیئے ہیں اور چوری میں بناسپتی گھی ڈال دیا تھا۔ پرنس عنایت کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے باورچی کی کھال کھنچوا دی۔ اس سخت سزا کے بعد طوطوں کو خالص گھی کی چوری ملنے لگی۔

ایک شام پرنس عنایت اور میں گزرے ہوئے دنوں کی باتیں کر رہے تھے کہ میں نے اس سے کہا۔ "تم جن کی موجودگی سے خوفزدہ ہو گئے تھے لیکن تم نے دیکھا کہ میں نے اسے کیسا بے وقوف بنایا۔

ہفت روزہ **اقدام** لاہور

زیرادارت : محمد شفیع ۔ ممتاز احمد خاں

جلد ۱۴ شمارہ ۱۵ ۱۹۔ اپریل ۱۹۶۴ء

اپنی باتیں

قارئین کرام!

اس بار "عید قرباں" اور "اقبال نمبر" ایک ساتھ ہی شائع کئے جا رہے ہیں۔ "عید قرباں" کے متعلق مولانا صدر الدین اصلاحی کا گراں قدر مقالہ شاملِ اشاعت ہے۔ میاں سلطان احمد وجودی نے اپنے مخصوص مگر منفرد انداز میں واقعہ قربانی پر روشنی ڈالی ہے۔ جناب اسلم وارثی، جناب فرحت شاہجہانپوری، پروفیسر محمد منوّر اور میر غلام احمد کشفی نے علامہ اقبالؔ کی زندگی اور فلسفے کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ اور مولانا ظفر علی خاں اور ڈاکٹر ایس۔ اے وجدی نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

۱۹۔ اپریل برِصغیر کی تاریخ کا ایک خونی ورق ہے۔ اس دن امرتسر میں انگریز استبداد نے سینکڑوں حرّیت پسندوں کو خاک و خون میں غلطاں کیا اور ہزاروں کو نذرِ زنداں کر دیا تھا۔ جناب قمر یورش نے اس تاریخی واقعے پر روشنی ڈالی ہے اور آزادی کے شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

بصرہ سے "اقدام" کے کرم فرما جناب نثار الدین محمد المصطفوی نے ایک غزل بھیجی ہے جو اقبالؔ کے ایک شعر سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔

جناب قمر لدھیانوی نے "لائل پور کے ہوٹل میں" سے قارئین کو متعارف کرایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہوٹل تو اب گاؤں گاؤں کھل گئے ہیں۔ لیکن لائل پور کے ہوٹل اپنی نوعیت کے واحد ہوٹل ہیں۔ بلکہ لائل پور کی سماجی، ثقافتی اور سیاسی علامتیں ہیں۔

جناب منظور انور قریشی کی "طوطا کہانی جدید" کے بارے میں ہمارا حُسنِ ظن (اقدام ۱۲۔ اپریل) درست ثابت ہوا۔ بیشتر قارئین نے ہماری وساطت سے جناب منظور انور قریشی کو مبارک باد دی ہے اور ہم سے فرمائش کی ہے کہ ہر "طوطے" کو ایک ہی بار شائع کر دیا جائے۔

(ادارہ)

سازش کس نے کی تھی؟

اس ہفتے ایک اہم خبر کراچی کے ایک معزز معاصر نے شائع کی جس میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ ۔ حزبِ اختلاف نے تجویز (شرط) پیش کی ہے کہ موجودہ اسمبلیوں کی میعاد میں مزید دو سال کا اضافہ کر دیا جائے اور اسی طرح صدرِ مملکت کی میعاد میں بھی توسیع کر دی جائے۔ اگر یہ تجویز یا شرط حکومت منظور کر لیتی ہے تو حزبِ اختلاف حکومت سے تعاون کرنے کو تیار ہے ——

ظاہر ہے یہ خبر بڑی ہنگامہ خیز تھی۔ چنانچہ اس پر سارے ملک میں سنسنی پھیل دوڑ گئی۔ حزبِ اختلاف کے اراکین نے اس کا فوری نوٹس لیا اور قومی اسمبلی میں تحریک پیش کی گئی جس پر وزیرِ قانون نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ حزبِ اختلاف نے اس قسم کی کوئی تجویز پیش نہیں کی —— قائم مقام اسپیکر نے رولنگ دیتے ہوئے متعلقہ اخبار کو تنبیہہ کی کہ وہ اس قسم کی خبریں شائع کرنے سے احتراز کرے ——

اسپیکر کی رولنگ کے ساتھ ہی یہ مسئلہ تو ختم ہو گیا لیکن اس کے نتیجے میں ایک اور مسئلہ پیدا ہوا ہے اس پر ملک کے باشعور افراد کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس وقت جبکہ اسمبلیوں کے اور صدارتی انتخابات قریب آ رہے ہیں آخر وہ کونسا عنصر ہے جو اس قسم کی افواہیں پھیلا رہا ہے۔ جہاں تک ارباب اختیار کا تعلق ہے وہ خود واضح الفاظ میں التوائے انتخاب کی مخالفت کر چکے ہیں۔ صدرِ مملکت متعدد بار اعلان کر چکے ہیں کہ انتخابات مقررہ وقت پر ہوں گے۔ اسی طرح حزبِ اختلاف بھی مقررہ وقت پر انتخابات کی پُر زور حامی ہے۔ اس لئے بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تیسرا عنصر کونسا ہے جو انتخابات کے بارے میں افواہیں پھیلا رہا ہے۔ حکومت اور خود حزبِ اختلاف کو بھی اس قسم کے عنصر کا سراغ لگانا چاہیئے۔ اور آئندہ کے لئے اس قسم کی افواہوں کا سدِ باب کرنا چاہئے کہ عوام میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔

انڈونیشیا کا اعلانِ حق

انڈونیشی وزیرِ خارجہ ڈاکٹر سبانڈریو اور پاکستان کے وزیرِ خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ

> تنازعۂ کشمیر کو کشمیری عوام کی مرضی اور اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل ہونا چاہیئے۔ تنازعۂ کشمیر سے کشمیریوں کے بنیادی حقوق کا گہرا تعلق ہے۔ اور محض اس جھگڑے کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات خراب چلے آ رہے ہیں اور افریشیائی اتحاد پر بھی برا اثر پڑ رہا ہے۔

انڈونیشیا کے اس اعلان سے مشرقِ بعید میں بھارت کا ایک اور پُرجوش حامی کم ہو گیا ہے۔ اس طرح ساری دنیا (سوائے مسٹر خروشچیف کے) کشمیر کے معاملے میں پاکستان کی ہمنوا ہے اور کشمیریوں کی حقِ خود ارادیت کی حمایت کر رہی ہے۔ بھارت کو اب بھی سوچنا چاہئے کہ وہ کس مقام پر کھڑا ہو رہا ہے اور اس کی ضد اور ہٹ دھرمی اسے ساری دنیا میں کس طرح رسوا کر رہی ہے۔

ہم کشمیری عوام کی حمایت پر انڈونیشیا کو تہِ دل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ پاکستان اور انڈونیشیا دونوں حق و صداقت کی حمایت میں اسی طرح ہمنوا اور ہم خیال رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی جناب ذوالفقار علی بھٹو کو بھی مبارک باد دیتے ہیں کہ انہوں نے پاکستان کے لئے نئے دوستوں کے حصول کی مہم میں شاندار کردار ادا کیا ہے۔ خدا کرے آئندہ بھی ان کی صلاحیتیں پاکستان اور اہلِ پاکستان کے لئے بارآور اور مفید ثابت ہوں۔

دھمکی کا عملی جواب دیجئے!

بھارتی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" کو ایک اہم بھارتی وزیر نے بتایا ہے کہ

"فوجی شکست کے سوا کوئی اور چیز بھارت کو کشمیر سے نکلنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

بھارت کے وزیر کا یہ بیان کوئی نئی بات نہیں، ہر معقول شخص کو یہ یقین ہے کہ بھارت پُرامن ذرائع سے کبھی کوئی بات تسلیم نہیں کرے گا۔ وہ صرف طاقت کی بات ہی مانے گا۔ اربابِ اختیار کو اب بھارت سے خوش فہمی ختم کر دینی چاہئے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے عملی اقدام کرنا چاہئے۔

حج کا فلسفہ

—————— مولانا صدر الدین اصلاحی

حج کے لغوی معنیٰ زیارت کا ارادہ کرنے کے ہیں۔ شریعت کی زبان میں حج کی عبادت کو حج اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں انسان کعبہ کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہے۔ حج ہر بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض کیا گیا ہے۔ جو شخص حج کی قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا وہ اپنے مسلمان ہونے کو جھٹلاتا ہے۔

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے گھر کا حج کرے۔ اور جس نے کفر کی روش اختیار کی (اسے جان لینا چاہئے کہ) اللہ سارے اہلِ جہاں سے بے نیاز ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو کسی بیماری یا واقعی ضرورت، یا ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو، اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے چاہے نصرانی۔

اسلامی تصورِ عبادت اور اسلامی عبادات

حج کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آخر کعبہ کیا چیز ہے جس کی زیارت کی اتنی اہمیت ہے، اور جو مراسم حج میں ادا کئے جاتے ہیں اُن کے پیچھے کون سے تصورات کام کر رہے ہیں؟

کعبہ کی اہمیت: کعبہ کی تعمیر آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر کا حکم اور جگہ کا تعین دونوں خدا کی طرف سے تھے۔ یہ دُنیا میں پہلا گھر ہے جو خدا کی عبادت کے مرکز کی حیثیت سے بنایا گیا۔ اس گھر کی اہمیت پر قرآن میں آیا ہے کہ:

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔

جس وقت اس گھر کی تعمیر شروع ہوئی اس وقت اس کے مقدس معماروں نے خدا کے حضور میں دعا کی تھی کہ:

خدایا ہمارے عمل کو قبول فرما، یقیناً تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، مالک ہمیں اپنا سچا فرماں بردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسا گروہ پیدا کر دے جو تیرا فرماں بردار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا اور ہم پر کرم کی نظر رکھ، بیشک تو نظرِ کرم فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ جس مقصد کی خاطر اس عمارت کی تعمیر عمل میں آئی ہے اس کی تکمیل ایک ایسے گروہ کے ذریعے ہوگی جو انہیں بزرگوں کی یا دوسرے الفاظ میں حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ جب کعبہ کی تعمیر مکمل ہو گئی تو حضرت اسماعیل یہیں بس گئے۔ انہیں کی اولاد میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے ہاتھوں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام کی دعا پوری ہوئی۔ کعبے کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اسے مسلمانوں کا قبلہ، یعنی مرکز قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ تمام مسلمان اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کریں۔

حج کے مراسم: اب ذرا ان مراسم پر ایک نظر ڈالئے جو حج میں ادا کئے جاتے ہیں جب کوئی شخص حج کے لئے روانہ ہوتا ہے تو مکے سے کافی دور پہلے حج کی باقاعدہ نیت باندھتا ہے جسے "احرام" کہتے ہیں۔ احرام باندھے ہوئے وہ غسل کر کے عام کپڑوں کے بدلے ایک تہبند اور ایک چادر پہن لیتا ہے، خدا کو مخاطب کر کے بلند آواز سے پکارتا ہے۔

لبیک اللھم لبیک، لبیک
لا شریک لک، لبیک ان
الحمد والنعمۃ لک، والملک
لا شریک لک۔

حاضر ہوں، میرے اللہ، میں حاضر ہوں
میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں،
میں حاضر ہوں، اس میں کوئی شک نہیں
کہ حمد تیری ہی ہے، نعمتیں تیری ہی ہیں
اور بادشاہی تیری ہے۔ اور تیرا کوئی
شریک نہیں!

"لبیک" کی یہ صدا اب وردِ زبان بن جاتی ہے، احرام کے بعد عیش و عشرت کی ہر چیز اس پر حرام ہو جاتی ہے، زیب و زینت ممنوع ہو جاتی ہے۔ اس حال میں وہ مکے پہنچتا ہے اور وہاں کعبے کا طواف کرتا ہے۔ ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو لوگ منیٰ کے مقام کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ وہاں سے عرفات جاتے ہیں۔ وہاں سے مزدلفہ اور وہاں سے پھر منیٰ آتے ہیں "جمرات" کو کنکریاں مارتے ہیں، قربانی کرتے ہیں، سر منڈاتے ہیں اور کعبے کا بار بار طواف کرتے ہیں۔

یہاں ان مراسم کی تفصیل کا موقع نہیں لیکن ان کے پیچھے جو روح کار فرما ہے اس کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

حج کی اہمیت

(۱) ان مراسم پر گہری نظر ڈالئے تو ہر ایک چیز سے بندگی کی تصویر ابھرتی ہے۔ احرام کے لباس کو لیجئے۔ یہ لباس نہیں بلکہ ایک طرف فقیری کے احساس اور دوسری طرف فداکاری کے جذبے کا منہ بولتا نشان ہے جس وقت ایک فقیر بے نوا اپنی جھولی وا کئے کسی داتا کے دربار میں، یا ایک جانباز سپاہی اپنی وردی میں میدانِ جنگ کی طرف جاتا ہے تو اس کے خیالات اور جذبات کو سمجھنے کے لئے الفاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ اس کی ہیئت ہی سب کچھ بتا اور سمجھا دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کعبے کی طرف جانے والے کی ہیئت خود بولتی ہے کہ وہ اللہ ہی کے در کا بھکاری ہے اور اسی کی فوج کا کفن بردوش سپاہی!

(۲) اسی کے ساتھ ساتھ احرام کا یہ لباس ایک اور عظیم حقیقت کا اعلان کر رہا ہوتا ہے۔ دنیا کی مختلف قوموں کے افراد جب اپنا وطنی لباس اتار کر ایک ہی قسم کے کپڑے پہن لیتے ہیں اور ایک ہی نعرہ (لبیک) سب کی زبان سے بلند ہو رہا ہوتا ہے تو اسلامی قومیت ایک بیّن پیکر اختیار کر لیتی ہے اور اندھے بھی دیکھ لیتے ہیں کہ اسلام کا رشتہ سارے مادی رشتوں سے زیادہ مضبوط اور درحقیقت انسانوں کو حقیقی طور پر جوڑنے والا واحد رشتہ ہے۔

(۳) جس وقت ہر چہار طرف سے صدائے لبیک (میں حاضر ہوں) بلند ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کی جو منادی کی تھی۔ یہ آوازیں اسی کا جواب ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منادی چند رسوم کے پورا کرنے کی نہ تھی بلکہ اپنے آپ کو روحِ ایمان اور حقیقتِ اسلام میں ڈھال لینے کی منادی تھی۔ اس اعتبار سے لبیک کا نعرہ اپنے آپ کو مالک کے حوالے کر دینے کی ایک بے چین خواہش کا اظہار ہے۔

(۴) جوں ہی کعبے پر نظر پڑتی ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر اور جذبہ جو اس کی تعمیر میں شامل تھا نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے اور انسان کو یاد آ جاتا ہے کہ میں بھی اسی امت کا ایک فرد ہوں جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور جس کا نام انہوں نے امتِ مسلمہ رکھا تھا۔

حجرِ اسود پر جب وہ اپنا ہاتھ رکھتا ہے تو دل پر یہ حقیقت نقش ہو جاتی ہے کہ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے رہا ہوں، بندگی وغلامی کا عہد تازہ کر رہا ہوں اور اقرار کر رہا ہوں کہ اس عہد سے کبھی نہ پھروں گا۔

(۵) طواف کیا ہے؟ فقط رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دینے کا والہانہ جذبہ، جب مردِ مومن کعبے کے ارد گرد چکر لگاتا ہے تو شمع و پروانہ کا شاعرانہ تخیل ایک واقعہ بن جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کے دربار میں آ کر مجسم عبدیت اور سراپا کیف و سرمستی بن گیا ہے۔ پھر اس طواف میں کالے اور گورے، عربی و عجمی، سامی و آریائی۔ غرض کہ ہر نسل ہر زبان اور ہر قومیت کے لاکھوں لوگ ایک ہی لباس پہنے اور ایک ہی جذبات لئے کعبے کے گرد گھومتے ہیں تو یہ منظر یقین دلاتا ہے کہ جس طرح اللہ ایک ہے اسی طرح اس کے دین پر ایمان رکھنے والے بھی تمام ظاہری اختلافات کے باوجود ایک ہی ہیں۔ ان کا محور اور مرکز ایک ہے اور ان کی وفاداریاں اور جاں نثاریاں ایک ہی ذاتِ حق کے لئے ہیں۔

(۶) صفا و مروہ کے درمیان کی "سعی" اس عزم کی مظہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا راستہ ہی ہمارا راستہ ہوگا اور اس راستے پر چلنے میں ہم

اعتذار

اقدام (۲۹ مارچ ۱۹۶۴ء) میں "افکار کم مسائل زیادہ" کے زیرِ عنوان ایک مضمون جو صحافتی اور اخلاقی لحاظ سے انتہائی قابلِ اعتراض تھا سہواً شائع ہو گیا ہے جس پر ادارہ جناب نذیر آر سلہری اور قارئین کرام سے خلوصِ دل سے معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

اپنے قدم سست نہ ہونے دیں گے۔

(۷) ساتویں ذی الحج سے لے کر دسویں ذی الحجہ تک سارے حاجیوں کا ایک ہی امام کی قیادت میں سفر اور قیام ایک منظم فوجی زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ لاکھوں بندگان خدا کا یہ احرام پوش گروہ کفن بردوش سپاہیوں کا ایک جرار لشکر نظر آتا ہے۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ امت مسلم کے تصور کے ساتھ منظم اجتماعیت اور فوجی زندگی کا تصور بالکل لازم ہے اور اس گروہ کی ساری سعی و جہاد دین کی نصرت کے لئے وقف ہے۔

(۸) جمرات کے ستونوں پر کنکریاں مارنا پتھروں کی اس بے پناہ بارش کی یادگار ہے جس نے ابرہہ کے لشکر کو انہی مقامات پر تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ ان مقامات پر کنکریاں مارنا اس عزم کا اظہار ہے کہ جو اللہ کے دین کی طرف ترچھی نظر سے دیکھے گا اس کا منہ پھیر کر رکھ دیں گے۔

(۹) قربانی وہ "ذبحِ عظیم" ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ قرار دیا تھا۔ اس لئے اللہ کی راہ میں جانور قربان کرنا درحقیقت اپنے آپ کو قربان کرنے کا قائم مقام ہے۔ یہ اس بات کا خاموش اقرار ہے کہ ہماری جان اللہ کی راہ میں نذر ہو چکی ہے اور وہ جب اسے طلب کرے گا ہم بلا تامل پیش کر دیں گے۔

مراسمِ حج کے پیچھے کام کرنے والی ان ساری حقیقتوں کو دیکھئے۔ بندگیٔ رب کا کونسا جذبہ ہے جو ان میں لہریں نہیں لے رہا۔ خصوصاً جذبۂ جہاد، جو بندگی کی معراجِ کمال ہے، وہ تو ان سارے اعمال میں اس طرح سمویا ہوا ہے کہ پورا حج جہاد کی علامتی مشق معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عورتوں نے آپؐ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا "تمہارا بہترین جہاد حج ہے"۔

حج کی شانِ جامعیت: ان باتوں کے علاوہ اگر حج کے مراسم کو ایک اور پہلو سے دیکھئے تو محسوس ہوگا کہ یہ حج اگرچہ کہنے کو ایک عبادت ہے لیکن فی الواقع اس میں ہر عبادت اور ہر عملِ خیر کی روح موجود ہے۔

(۱) وہ نماز بھی ہے اس لئے کہ جیسا کہ ہم نے دیکھا نماز کی حقیقت ذکر یا یاد دہانی ہے۔ اور حج میں آدمی مسلسل زبان سے ذکر (لبیک اللّٰہم لبیک) کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی ان مقامات کی زیارت کرتا ہے جو اس کے احساسِ عبدیت کو ابھار

نگاہِ شوق

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
اِسی نگاہ سے گُل پوش پیکرِ خاکی
اِسی نگاہ کی آغوشِ پُر محبّت میں
اِسی نگاہ نے پھینکی کمندِ نظّارہ
اِسی نگاہ کے داماں بصد گُلستاں کا

اِسی نگاہ نے محرابِ ہر تصوّر کو
یہی نگاہ تھی صبحِ ازل فغانِ جرس
یہی نگاہ تخیلِ ثمر فگن ہو کر
یہی نگاہ بنی روزنِ درِ شب میں
اِسی نگاہ کے زیرِ اثر جنونِ طلب
اِسی نگاہ سے تخلیقِ حُسن و رعنائی
مِلا ہے حُسنِ جواں کا مذاقِ پیدائی
کہ ہو اسیر فضا کا جمالِ پنہائی
سے ایک پارۂ خوش رنگ چرخِ مینائی
کیا ہے جلوہ گہِ نورِ شمعِ زیبائی
اِسی نے مجھ کو دیا حکمِ دشت پیمائی
ہوئی ہے مونس و غمخوارِ آبلہ پائی
شعاعِ صبحِ درخشاں ہے دلِ آسائی
ہوا ہے بستۂ دامانِ ناشکیبائی
نگاہِ شوق میسّر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

ثنارالدین محمد المصطفوی بصرہ

خلیلؑ بیتی کے چند ورق

میاں سلطان احمد وجودی

(۱)

اے خدا! اے خدا! مجھے بتا مجھے کیا کرنا چاہیئے ——؟

میں نے تیرے ارشاد کی تعمیل کی پہلی رات جب مجھے یہی حکم دیا گیا کہ میں اپنی سب سے عزیز چیز کو قربان کر دوں تو میں نے ایک سو اونٹ ذبح کئے۔

دوسری رات پھر وہی آواز۔

میں نے تعمیل کی اور دوسرے دن دو سو اونٹ ذبح کئے۔

تیسری رات پھر وہی آواز۔
تین سو ذبح کئے۔

آج چوتھی رات ہے میں پھر وہی آواز سن رہا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے ——؟

میرے خدا! میرے خدا! مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ مجھے بتا مجھے کیا کرنا چاہیئے ——؟

اسی آواز کا بار بار آنا یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ اونٹوں کی قربانی مجھے منظور نہیں۔

میری سب سے عزیز چیز کیا ہے جسے قربان کر دوں ——؟

جان ——؟ نہیں، میں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔

اولاد ——؟ ہاں میں اسے سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

(۲)

بیٹے نے جس میں باپ کی فرمانبرداری۔ خدا کی محبت اور اپنے مالک کی الفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نہایت ادب اور انکسار سے باپ کی خدمت میں عرض کی۔

قبلہ گاہ! میرا جسم۔ اس میں روح اور جو کچھ بھی ہے۔ سب خدا کا بخشا ہوا ہے۔ میں اس کا حکم سر اور آنکھوں پر بجا لاؤں گا: اور قربان گاہ پر قربانی کا —— بن کر چڑھ جاؤں گا۔

ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے ——

وہ کیجئے۔ خدا نے چاہا تو میں

ثابت قدم رہوں گا ——"

حضرت ابراہیمؑ بیٹے کی تقریر سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

"تجھ جیسے نیک خصلت اور نیک طینت بیٹے کو اس کا باپ کیوں محبت نہ کرے۔ میرا خیال تھا کہ تو موت کے نام سے تھرا ئے گا۔ تیرا نازک دل اس ہیبت ناک منظر سے ڈر جائیگا تجھے ڈھب پر لانے۔ تیری قربانی چڑھانے، اور اللہ کا فرمان بجا لانے میں مجھے مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر وہ اک جھوٹا خیال تھا جو میرے دل میں گھر کئے تھا۔ وہ اک وہم تھا جو مجھے ڈرا رہا تھا۔ تیرے اخلاقِ حمیدہ۔ تیرے اوصاف پسندیدہ اور تیرے اطوار سعیدہ ہیں۔

آہ! کیا ہی خوش قسمت ہے وہ باپ جس کی اولاد نیک کردار ہو، سعادت اطوار ہو، میں اس کو جو نیک ہے۔ میرے بڑھاپے کا عصا ہے میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ اور میری دیرینہ سالی میں میرا مددگار ہے۔ قربان کرتا ہوں اس پر جو "کن" کہنے سے دنیا اور جو کچھ بھی اس میں ہے کو پیدا کرتا، اندھیرے گھروں میں اجالا کرتا اور جب چاہے اسے بے چراغ کر دیتا ہے۔

(۳)

مجھے اپنے استقلال اور جاں نثاری پر تو اعتماد تھا ہی تحقیق طلب یہ تھا کہ پندرہ سالہ نوجوان اپنے گلے پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔ اسمٰعیل کے جواب نے میرے شکوک رفع کر دیئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہاجرہؑ اس بات پر راضی ہو جاتی ہے یا نہیں۔

آخر ماں ہے۔ کس طرح منظور کرے گی؟ بچے کو کس طرح چھری کے حوالے کر دے گی؟ خیر مجھے کوئی بہانہ تلاش کرنا چاہیئے۔

لو وہ آگئی۔

حضرت ابراہیمؑ۔ ہاجرہؑ۔

حضرت ہاجرہؑ۔ "ارشاد"

حضرت ابراہیمؑ۔ ہمیں ایک دعوت پر جانا ہے۔ اسمٰعیلؑ سے کہو کپڑے تبدیل کرے۔

حضرت ہاجرہؑ۔ بسر و چشم۔

تھوڑی دیر میں حضرت اسمٰعیل کپڑے تبدیل کر کے آجاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ایک چھری اور رسّی لے کر بیٹے کے ساتھ جانے کو تیار ہیں۔

حضرت ہاجرہؑ۔ آقا! دعوت میں چھری اور رسّی کا کیا کام ؟

حضرت ابراہیمؑ "ہاں اس کی بھی ضرورت ہے۔"

وہ چلے جاتے ہیں۔

(۴)

جس نے آدمؑ اور حواؑ کو بہکایا گیہوں کھلایا اور باغ عدن سے نکلوا دیا۔

جو ہابیل اور قابیل کے پاس پہنچا اور بھائی کے ہاتھوں بھائی کا قتل کرانے سے نہ رکا۔

اسمٰعیلؑ! کیا تو اس کے ہاتھ سے بچ سکتا ہے؟ نہیں اسمٰعیلؑ تو ابھی بچہ ہے۔ شیطان کی چالوں کو سمجھ نہیں سکتا۔

آ —— ذرا میرا کھیل تو دیکھ۔

شیطان آدمی کی شکل میں حضرت اسمٰعیل کے پاس جاتا ہے۔

شیطان۔ چھوٹے صاحبزادے سلام۔

حضرت اسمٰعیل۔ آداب بڑے میاں آداب۔

شیطان "آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟"

حضرت اسمٰعیلؑ۔ صفا و مروا پہاڑیوں پر جانے کا ارادہ ہے۔"

شیطان "لیکن —— آپ کے ساتھ یہ صاحب کون ہیں۔ جو آپ سے آگے آگے چل رہے ہیں"؟

حضرت اسمٰعیل۔ "یہ میرے والد بزرگوار ہیں۔"

شیطان —— "خوب! لیکن ان کے ہاتھ میں رسّی ہے اور چھری بھی"

کیا لکڑیاں لانے کا خیال ہے ——؟

مگر لکڑیوں کے لئے کلہاڑی کی ضرورت ہوتی چھری کا کیا کام ——؟

حضرت اسمٰعیلؑ۔ "ہاں —— وہاں قربانی دی جائے گی۔"

شیطان۔ "قربانی ——؟ کس کی ——؟"

حضرت اسمٰعیلؑ۔ "میری"

شیطان "چھوٹے صاحبزادے! آپ نے کیا فرمایا؟"

حضرت اسمٰعیلؑ۔ "ہاں۔ ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔"

شیطان۔ "ہو گا۔ مگر کیا باپ یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اپنے نورِ نظر کے گلے پر چھری پھیر دے؟ کیا باپ یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اپنے لختِ جگر کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دے؟ نہیں ہرگز نہیں —— یہ بات نہیں۔ جلا رہے۔ یقیناً جلا رہے۔"

حضرت اسمٰعیلؑ کنکریاں اٹھا کر شیطان کی طرف پھینکتے ہیں۔ شیطان چلا جاتا ہے اور کنکریاں وہاں ستون بن جاتی ہیں۔

(۵)

کہا جاتا ہے کہ میں احکام خدا کے سر انجام دینے میں رکاوٹیں ڈالتا ہوں۔ روڑے اٹکاتا ہوں کوئی بھی بڑا کام دنیا میں ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں میرا دخل ضرور ہو گا۔

مگر —— مگر کیا یہ اصلیت ہے؟

کیا یہ درست ہے؟

کیا واقعی میں کسی کو اچھا کام کرنے نہیں دیتا۔

نہیں یہ غلط ہے۔

بابا! —— !! یہ سچ ہے کہ میں ہر ایک پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر مٹی کے بنے ہوئے مکان کو میرے فریب کی رو اس طرف جاتی تو ضرور ہے مگر اس سے ٹکرا کر ندامت اٹھا کر واپس آجاتی ہے۔

بھائی! مجھے برا کیوں کہتے ہو؟

اپنے آپ کو کوسو۔

میں اپنا کام کرتا ہوں تم اپنا کام کئے جاؤ۔

اے ابراہیم! اب تیری باری آئی ——

بوڑھا آدمی بڑھاپے میں عقل اور مذہب دونوں کھو دیتا ہے۔

آدمی کی شکل میں حضرت ابراہیم کے پاس جاتا ہے۔

شیطان۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے —— میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ کا خیال ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دکھایا گیا ہے اور اسی لئے آپ اپنے بیٹے کی قربانی دینا چاہتے ہیں۔ مگر مجھے اس خواب کے سچے ہونے پر شک ہے۔

میں بھی باپ ہوں۔ میرے دل میں بھی اولاد سے محبت موجود ہے۔ مجھے آپ کی حالت پر ترس آتا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خواب جھوٹا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ۔ اُف شیطان۔ لاحول ولا قوۃ۔

حضرت ابراہیم کنکریاں اٹھا کر پھینکتے ہیں۔ کنکریاں ستون بن جاتی ہیں۔ شیطان غائب ہو جاتا ہے۔

(۶)

توبہ۔ توبہ آج مجھے کن آدمیوں سے پالا پڑا طرف زک اٹھانی پڑتی ہے۔ جدھر جاتا ہوں منہ کی کھاتا ہوں مجھ پر الزام لگانے والوں میں سے کوئی ہو۔ تو گھبرا جائے۔ مجھے برا بھلا کہنے والوں میں سے کوئی ہو۔ تو بھبتیاں اڑائے۔

میرا خیال تھا کہ بڑھاپا انسان کے خیالات میں تذبذب پیدا کر دیتا ہے۔ مگر ابراہیمؑ نے ثابت کر دیا کہ خدا پرست انسان خواہ ہو۔ بوڑھا ہو۔ جوان ہو اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا۔

ہائے! عورت!! یہ بے وقوف سمجھی ہے

ہا ہا ہا ہا ——

جب میں پہلے دن حوا کے پاس گیا۔

کس طرح سٹپٹائی۔

کس طرح گھبرائی۔

جب میں نے کہا۔ یہ گیہوں تمہاری آنکھوں میں روشنی پیدا کر دے گا۔ اس نے جھٹ خود کھایا اور آدم کو بھی کھلانا شروع کر دیا۔

ہاجرہؑ ! !! ابراہیمؑ اور اسمٰعیل تو میرے جال سے بچ گئے۔ مگر تو کہاں جا سکتی ہے؟ آخر تو عورت ہے۔

عورت کے بباس میں حضرت ہاجرہؑ کے پاس جاتا ہے۔

شیطان۔ "سہیلی سلام"۔

حضرت ہاجرہؑ۔ "او بہن۔ آؤ"۔

شیطان۔ "تمہارا خاوند کہاں ہے؟"

حضرت ہاجرہؑ۔ "دعوت پر گئے ہیں"۔

شیطان۔ "اور بیٹا ــــ؟"

حضرت ہاجرہؑ۔ "وہ بھی"۔

شیطان۔ "ہاں میں نے دیکھا۔ ایک بوڑھا اور ایک لڑکا جا رہے تھے۔ وہی ہوں گے مگر ــــ اُن کے ہاتھ میں ایک رسی تھی اور چھری بھی۔

یاد نہیں ــــ ہاں کسی سے یہ بھی سنا تھا کہ وہ بیٹے کو ذبح کرنے گئے ہیں۔

حضرت ہاجرہؑ۔ "نہیں بہن یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

شیطان۔ "نہیں بوا۔ یقین جانو ــــ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ خواب دیکھا ہے۔ اور وہ اسے خدا کا حکم سمجھ رہے ہیں"۔

حضرت ہاجرہؑ۔ "اگر ایسا ہی ہے۔ اگر خدا کو میرے بیٹے کی قربانی منظور ہے۔ تو اس کے باپ کو ضرور کرنی چاہیئے، وہ آئیں تو میں تاکید کر دوں گی کہ ضرور کریں اور خدا کے ارشاد کی تعمیل میں سر مو فرق نہ آنے دیں"۔

شیطان۔ "مگر خیال یہ ہے کہ وہ خواب جھوٹا ہے"۔

حضرت ہاجرہ۔ "خواب جھوٹا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے ــــ؟ میرا خاوند خدا پرست ہے۔ اسے دھوکا نہیں دیا جا سکتا ہے۔ تو شیطان ہے مجھے بہکانے آیا ہے"۔

حضرت ہاجرہؑ کنکریاں اٹھا کر مارتی ہیں کنکریاں ستون بن جاتی ہیں۔ اور شیطان غائب ہو جاتا ہے۔

(۷)

ایک بزرگ چھری کو تیز کر رہا ہے۔ اس کا چہرہ جس سے نور برستا ہے کبھی یک لخت گلاب کے خوب صورت غنچہ کی طرح کھل جاتا ہے۔ اور کبھی بہت تھوڑے عرصے کے لئے افسردگی اس پر اپنا اثر کر جاتی۔

اس نے چھری کو تیز کرنے کے بعد ایک پتھر پر رکھ دیا۔ تھوڑی سی زمین کو صاف کیا اور ابھی اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ایک نوجوان آ موجود ہوا لکڑیوں کو زمین پر رکھ دیا۔ نگاہوں کو زمین پر جمایا اور مؤدبانہ طریقہ سے کھڑا ہو گیا۔

سفید ریش والے بزرگ نے نوجوان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور فرمایا۔

میرے نورِ نظر! میرے لختِ جگر!! میں اپنے محبوب، اپنے مالک اور اپنے خدا کا فرمان تم کو سنا چکا۔ یہاں لانے کا مدعا بھی بتا چکا۔ تو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے، مگر ایمان سے نہیں۔

میرے دل میں تیری محبت ہے۔ مگر اس خدائے ذوالجلال سے زیادہ نہیں جس نے مجھے تجھے اور ساری دنیا کو پیدا کیا۔ وہ جو دنیا و مافیہا کا مالک اور ہر چرند اور پرند کا رازق ہے۔

اگر اس کو میری سب سے عزیز چیز کی قربانی درکار ہے تو یہاں کس کو انکار ہے۔

فرماں برداری کے پتلے حضرت ابراہیمؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اے تعریف کے قابل خدا! بے شک میں اپنے بیٹے کی محبت کا دم بھرتا ہوں۔ مگر تیری خوشنودی کے لئے اس کو تجھ پر قربان کرتا ہوں"۔

(۸)

حضرت اسمٰعیل اس فانی جہان کا دم بھرنے والوں میں سے نہ تھے کہ اپنی قربانی دئے جانے پر ہچکچاتے۔ خدا کے نافرماں بنتے اور باپ کو بھی گنہگار بناتے۔ انہوں نے سوچا کہ ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ پھر خدا عزوجل کی خوشنودی کیوں نہ حاصل کروں ــــ؟

بس اسی خیال نے حضرت اسمٰعیلؑ کی فرمانبرداری کے جذبات کو بھڑکا یا اور انہوں نے اپنے باپ کی خدمت میں اس طرح عرض کیا۔

میری آخری التجا ہے کہ چھری کو تیز کر لیجئے اور میرے ہاتھ اور پاؤں کو کس کر مضبوط باندھئے تاکہ مجھے ذبح کرنے میں دیر نہ لگے اور میں تکلیف سے تنگ آ کر بے تاب ہو کر تڑپوں تو آپ کے جسم مبارک پر ضرب نہ آئے۔ اور براہِ کرم مجھے اوندھا منہ لٹائیے تاکہ ذبح کرنے کے وقت میرا چہرہ دیکھ کر پروانہ محبت جوش میں نہ آئے اور اللہ کا فرمان بجا لائیے اور آپ کو موردِ عتاب نہ بنائے۔

(۹)

اللہ! اللہ!! باپ کا دل یہ تاب و یہ طاقت کہ بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار۔ مگر دل حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم جو بعدہٗ خلیل اللہ کہلایا جس نے کر دکھایا کہ انسان وہ کچھ کر سکتا ہے۔ جس کے کرنے سے فرشتے بھی شاید حیلہ و بہانہ کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے دل کو کڑا کر کے بیٹے کو اوندھے منہ جکڑ کر چھری کو سنبھالا۔ پدری محبت کو دل سے نکالا اور بیٹے کی گردن پر چھری کا وار کیا۔

چھری چلی اور خوب چلی مگر نہ گردن کٹی نہ خون بہا۔ نہ حضرت اسمٰعیلؑ کو اذیت پہنچی نہ بال ہی بیکا ہوا۔ باپ چھری کے انکار سے حیران و بیٹا ذبح ہونے کے انتظار میں پریشان۔

دونوں گھبرا گئے۔

"ابا جان! کیا کرتے ہیں آپ ــــ؟"

ادھر حضرت ابراہیمؑ نے چھری کو پھر پتھر پر رگڑا۔ چھری پہلے ہی تیز تھی۔ اب سونے پر سہاگہ چڑھا۔ پھر بیٹے کی طرف لپکا اور دوسری دفعہ وار کیا۔

مگر ــــ مگر کدھر کی کٹن اور کہاں کا خون۔ یہاں نظر آیا معاملہ ہی دگرگوں۔ وہی پہلا سا معاملہ، وہی پہلی سی بات! ادھر حضرت اسمٰعیلؑ کی نازک گردن، اُدھر لوہے کی دھار۔ ایک کو کٹنے کا انتظار، دوسرے کو کاٹنے سے انکار۔

حضرت ابراہیمؑ کاٹے تو کیسے اور نہ کاٹے تو کیوں ــــ؟

بچارا گھبرا تا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔

حضرت اسمٰعیلؑ چلائے کہ۔

"ابا جان! چھری چبھو کر کام لیجئے اور مجھے جلدی ذبح کیجئے"۔

اب حضرت ابراہیمؑ نے چھری چبھو کر چلائی تو اور ہی رنگ لائی۔ چھری نے خود خم کھایا مگر حضرت اسمٰعیلؑ کے خون کا ایک قطرہ نہ بہا۔

(۱۰)

میں اس الجھن کو کیسے سلجھاؤں ــــ؟
اس راز کا بھید کیسے پاؤں ــــ؟
مجھے حکم ہوتا ہے اسمٰعیلؑ کی قربانی چڑھاؤ
چھری کو ارشاد کاٹنے سے باز آؤ۔

حضرت ابراہیمؑ اسی الجھن میں مبتلا تھے کہ بجلی چمکی۔ زمین دھمکی اور غیب سے ندا آئی :-

"ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب"۔

آوازِ غیبی! تجلی لاجواب۔ حضرت ابراہیمؑ میں سننے کی طاقت نہ دیکھنے کی تاب۔

بدن لرزا اور چھری گر گئی۔

پھر حضرت ابراہیمؑ گرے اور گر کر سنبھلے۔ اور سنبھل کر دیکھا کہ ایک مینڈھا پلا پلایا۔ دھلا دھلایا۔ ہٹا کٹا۔ تندرست و توانا۔ رنگ کا سفید۔ سینگ بل کھائے۔ بن کہے بن بلائے اس کی طرف چلا آ رہا ہے۔

اب پھر وہ تجلی نمودار ہوئی اور آواز آئی۔ یہ بھیڑ کا بچہ تیرے اسمٰعیلؑ کا فدیہ ہے پکڑ اور ذبح کر"۔

حضرت ابراہیمؑ مینڈھے کی طرف لپکے مگر مینڈھا چال کا تیز۔ طبیعت کا آزاد جنگل میں پلا۔ جنت کے پھل کھایا۔ کلیلیں کرتا چوکڑیاں بھرتا۔ یہ جا وہ جا۔ کہیں کا کہیں نکل گیا ــــ

پکڑا۔ شکرانہ ادا کیا۔ اور ذبح کر کے گھر واپس آئے۔

چراغِ کعبہ

عرب کا اور عجم کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا
جہاں میں روشنی پھیلی چراغِ کعبہ کی گھر گھر

جب اُس کی تیل بتّی کا نبیؐ خود کر گئے ساماں
بجھا سکتی ہے پھر کب اِس دِیے کو کفر کی صرصر

یہاں الہام کی باتیں وہاں اوہام کی گھاتیں
اِدھر اسلام کی تکبیر اُدھر اصنام کی ہر ہر

رسولؐ اللہ کی امت کی رنگا رنگیاں دیکھو
کہیں چینی، کہیں ترکی، کہیں ہندی، کہیں بربر

سلام اُس پر کیا اس طرح ازبر جس نے قرآں کو
کہ جو کچھ سُن لیا جبریل سے دہرا دیا فر فر

ترے دروازہ کی چوکھٹ ہے یا رب اور سر میرا!
یہ سر جب ہو چکا تیرا تو پھر میں کیوں پھروں در در

مرا خس پوش کاشانہ کہیں اچھا ہے راحت میں
اس ایوانِ مشیّد سے جو ہے پردردہ مرمر

(مولانا ظفر علی خاں مرحوم)

شیر
گیدڑوں کے نرغے میں

شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے کشمیری عوام سے رابطہ قائم کرنے کی مہم شروع کر دی ہے۔ اس سلسلے میں وہ اب تک ایک پریس کانفرنس، استقبالیے کی تین تقریبوں اور سات عام جلسوں سے خطاب کر چکے ہیں۔ شیخ عبداللہؒ نے اپنی تمام تقریروں اور بیانات میں مندرجہ ذیل امور کی طرف خاص طور پر اس مسئلہ کے تینوں فریقوں کی توجہ دلائی ہے۔

- مسئلہ کشمیر کے تین فریق (کشمیری عوام، پاکستان اور بھارت) ہیں۔
- اس مسئلہ کا واحد پرامن حل استصواب رائے عامہ ہے۔
- کشمیریوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے معقول دوسرے طریقوں پر غور کیا جا سکتا ہے۔
- کشمیری عوام "خود مختار کشمیر" کے حامی نہیں۔
- ظلم و تشدد اور سنگینوں کے بل بوتے پر کشمیریوں کو غلام نہیں رکھا جا سکتا۔
- کشمیری عوام بھارتی آئین و قوانین کے پابند نہیں۔
- بھارت سے (کشمیر کا نام نہاد) الحاق عارضی تھا۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے وہ روزِ اول سے ہی ان امور کی حمایت کرتا رہا ہے اور انہی خطوط پر دیرینہ مسئلہ کو حل کرنے کی طرف زور دیتا رہا ہے سلامتی کونسل بھی ان کو تسلیم کر چکی ہے اور کشمیری عوام بھی اس کے حامی ہیں صرف بھارت ہی وہ واحد فریق ہے جو جبر و تشدد اور بڑی طاقتوں کی مصلحت پسندی کی بنا پر کشمیری عوام کو غلام بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ بھارت نے اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ظلم و تشدد، ترغیب و تحریص اور تہدید کے تمام حربے اختیار کئے لیکن اس کے تمام حربے ناکام ہوئے باطل کو شکست اور حق کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

شیخ عبداللہؒ کی رہائی سے بھارتی حکومت اور اس کے ایجنٹوں نے جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں بلکہ شیرِ کشمیر مضبوطی کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بھارتی لیڈر جن میں نہرو بھی شامل ہیں (یہ امر قابل ذکر ہے کہ کسی کشمیری لیڈر نے ابھی تک بھارتی لیڈروں کی ہمنوائی نہیں کی) پنجے جھاڑ کر شیرِ کشمیر کے پیچھے پڑ گئے ہیں لیکن شیرِ کشمیر پر اس کا کوئی منفی ردِ عمل نہیں ہوا اور وہ اب بھی اپنے اصولوں سے کسی قیمت پر دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

قتل کا منصوبہ

نئی دہلی میں کسی غیر ملکی سفارتی دفتر نے روزنامہ "ڈان" کو بتایا ہے کہ شیخ عبداللہ کو قتل کرنے کی سازش کی جا رہی ہے جس میں بھارتی کابینہ کا ایک وزیر شامل ہے۔ پاکستان اور حریت پسند کشمیریوں کے لئے یہ خبر غیر متوقع نہیں ہے کیونکہ بھارتی سامراج شیخ عبداللہ کو سہ بارہ گرفتار کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا اسے معلوم ہے کہ گرفتاری سے اس کی بین الاقوامی رسوائی میں اور اضافہ ہو گا چنانچہ کالے سامراج کا پست ذہن کچھ اسی قسم کا منصوبہ تیار کر سکتا ہے۔ اس متوقع سازش میں بھارت کی تمام فرقہ پرست جماعتیں بشمول کانگریس پارٹی ممد ہیں۔ انہی میں سے ایک فرقہ پرست جماعت جن سنگھ نے مطالبہ کیا ہے کہ رائے شماری کا مطالبہ کرنے کے جرم میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن مطالبہ محض متوقع گھناؤنی سازش پر پردہ ڈالنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اس وقت شیرِ کشمیر دشمنوں کے نرغے میں ہیں اور کسی بھی وقت ان پر قاتلانہ حملہ کیا جا سکتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعظم غلام محمد صادق نے شیخ عبداللہ کو اسی باعث پیش کش کی ہے کہ وہ حکومت کے پناہ میں آ جائیں۔ حکومت کی پناہ سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اسے سب جانتے ہیں۔

دامِ ہمرنگِ زمیں

شیرِ کشمیر کو "دامِ ہمرنگِ زمیں" سے پھنسانے کی کوشش بھی ناکام ہو چکی ہے بھارتی حکومت کے وزیر بے محکمہ لال بہادر شاستری مرغ دست آموز محمد علی کریم چھاگلہ اور خود جواہر لال نہرو نے بھی اشارے اشارے میں شیخ محمد عبداللہؒ کو دھمکیاں دی ہیں لیکن ان کی دھمکیاں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ اسی طرح بھارت کے بعض غیر سرکاری حلقوں کی وساطت سے شیخ صاحب کو کشمیر کی وزارت عظمیٰ کی بھی پیش کش کی گئی لیکن وہ اس پر رضامند نہیں ہوتے۔

اقدام کی معلومات کے مطابق جواہر لال نہرو نے ایک اہم غیر سرکاری شخصیت جے پرکاش نرائن کی وساطت سے شیرِ کشمیر کو یہ بھی پیش کش کی کہ وہ شیخ صاحب کو ریاست کا صدر بنانے کیلئے تیار ہیں اور اس سلسلے میں وہ جو بھی چاہیں ضمانت حاصل کر سکتے ہیں۔ —— لیکن شیخ صاحب نے یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی

ان کے دوسرے رفقا کار بھی اس راہ میں ثابت قدم ہیں۔ غرض

کشمیری عوام کو بجا طور پر اپنے رہنماؤں پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے اور اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ کشمیری عوام اب بہت جلد منزل مراد کو حاصل کر لیں گے اور تمام ریاست بھارتی سامراج کے شکنجے سے نکل جائے گی۔

ہمہ گیر حمایت

مسئلہ کشمیر کے بارے میں افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کو روشناس کرانے کے لیے گزشتہ ماہ جو دو وفود گیے تھے وہ واپس آچکے ہیں۔ ان وفود نے وطن واپس پہنچ کر اعلان کیا ہے کہ ان کا دورہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا ہے۔ اور تمام ملکوں نے کشمیر کے بارے میں پاکستانی موقف کی حمایت کرنے کا یقین دلایا ہے۔ ان ممالک میں اگر ایک طرف ایران، ترکیہ، لبنان جیسے ممالک شامل ہیں تو دوسری طرف گھانا، الجزائر، کینیا، گنی، شام، عراق، سعودی عرب، صومالیہ، سوڈان، مراکش اور تونس نے واضح الفاظ میں کشمیریوں کے حق خود ارادی کی حمایت کرنے کا یقین دلایا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ بھارت کا طلسم ٹوٹ چکا ہے اور اب ہر جگہ جھوٹ بے نقاب ہو رہا ہے۔ پاکستان کے دونوں وفد کے اراکین نے اپنے اس دورے کو پاکستان اور کشمیری عوام کے لیے مفید بنانے کے لیے جو جدوجہد کی ہے یہ کامیابی اسی کا نتیجہ ہے۔ اس کامیاب مراجعت پر اہل وطن دونوں وفود کے رہنماؤں اور اراکین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

افریشیائی کانفرنس

جکارتہ میں افریشیائی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں پاکستان کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ دوسری افریشیائی کانفرنس آئندہ سال مارچ میں منعقد کی جائے۔ کانفرنس کے فیصلوں کے مطابق کانفرنس افریقہ کے کسی ملک "غالباً الجزائر" میں ہوگی۔ جکارتہ کانفرنس اس لیے اور بھی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی کہ اس میں روس اور اسرائیل کو متوقع کانفرنس میں شامل کرنے کے سوال پر زبردست اختلاف رائے کا اظہار کیا گیا۔ قدرتی طور پر بھارت نے روس اور اسرائیل دونوں کی شمولیت پر زور دیا جس پر انڈونیشی لیڈروں نے الزام لگایا کہ بھارت اس کانفرنس کو ناکام بنانے کی سازش کر رہا ہے۔

انڈونیشیا کے اس الزام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھارت کے "سازشی کردار" کا پردہ فاش ہوتا جا رہا ہے اور دنیا اس حقیقت سے واقف ہوتی جا رہی ہے۔ عرب ممالک میں بھارت کی نام نہاد غیر جانبداریت اور عرب دوستی کا بھرم بھی کھل چکا ہے۔ بہرحال یہ کانفرنس اس لحاظ سے مفید ثابت ہوئی کہ اس میں بھارت کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ گیا اور دوسری افریشیائی کانفرنس کی تیاریوں کے سلسلے میں اہم اقدامات کیے گیے۔

حزبِ اختلاف کی پیشکش

حزبِ اختلاف کے رہنما جناب یوسف خٹک نے قومی اسمبلی میں حکومت کو پیش کش کی ہے کہ حزبِ اختلاف "کچھ دو اور کچھ لو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حزبِ اقتدار سے مصالحت کرنے کے لیے تیار ہے۔ انہوں نے حزبِ اختلاف کی جانب سے درج ذیل مطالبات کیے گیے ہیں جن کو تسلیم کیے جانے کے بعد حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار کے درمیان تعاون کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔

- براہ راست عام انتخابات
- جماعتِ اسلامی کی بحالی
- اسمبلیوں کو مقتدر قرار دیا جائے

حزبِ اختلاف کے قائد نے امید ظاہر کی ہے کہ سرکاری پارٹی ان کی پیش کش منظور کر کے ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے مخالف جماعتوں کی صلاحیتوں سے استفادہ کرے گی۔ حزبِ اختلاف کے قائد نے یہ پیش کش کر کے معقولیت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ اب سرکاری پارٹی کو بھی معقولیت کا ثبوت دیتے ہوئے مثبت ردِ عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے لیکن اس سے قبل "باوثوق ذرائع" کے حوالے سے یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ سرکاری پارٹی اب اجتماعی طور پر کوئی سمجھوتہ کرنے کی بجائے حزبِ اختلاف کے اراکین سے انفرادی طور پر رابطہ قائم کر کے انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پارلیمانی سیاست میں اس قسم کی گٹھ جوڑ اور جوڑ توڑ ایک تکلیف دہ روایت بن چکی ہے لیکن نئے سیاستدانوں سے یہ توقع کی جاتی رہی ہے کہ وہ پارلیمانی سیاست میں اپنے دعوے کے مطابق صحت مند روایات قائم کریں گے اور اس طرح صاحب کردار ہونے کا ثبوت دیں گے۔ لیکن افسوس کہ دوسری توقعات کی طرح یہ توقع بھی نقش برآب ہوئی اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ "نئے سیاست دان" جن باتوں کے لیے "پرانے" سیاستدانوں کو مطعون کرتے رہے ہیں اب وہ ان باتوں پر خود بھی عمل پیرا ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

لیل و نہار بند ہو گیا

اردو اخبار نویسی کے لئے یہ ہفتہ اس لئے جانگداز ہے کہ اسی ہفتے اردو کے ایک معیاری اور خوب صورت ہفت روزہ کو بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا یعنی اب ہفت روزہ لیل و نہار پر نزع کا عالم طاری ہے اور وہ ۳ مئی کو داعی اجل کو لبیک کہہ جائے گا۔ لیل و نہار کو بند کرنے کی وجوہ بیان نہیں کی گئیں مگر اخباری حلقوں میں جو افواہیں پھیل رہی ہیں ان کے مطابق لیل و نہار خسارے میں جا رہا تھا اور اب ادارے کے لئے اس خسارے کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا

لیل و نہار ملک کے بہترین بلکہ کثیر الاشاعت ہفت روزوں میں سے ایک تھا۔ اور اس کے مرحوم بانی اور سابق ایڈیٹروں نے اس کا جو معیار کیا تھا وہ اس قدر بلند تھا کہ اس سے منافع کی امید ہی نہیں کی جا سکتی تھی اور نہ یہ جریدہ منافع کمانے کی نیت سے شائع کیا گیا تھا۔ اس جریدے کا ایک مقصد — ایک مشن تھا۔ جب تک اس جریدے کو اس مشن اور مقصد کی سرپرستی حاصل رہی اس کا خسارہ کسی کو محسوس نہ ہوا بلکہ خسارے میں مزید اضافے کی کوششیں جاری رکھی گئیں، اور یہ مقصد تھا ہفت روزہ اردو صحافت میں ایک خوب صورت اور معیاری جریدے کی اشاعت۔ لیکن حالات کی تبدیلی کے ساتھ ہی لیل و نہار کے مقاصد بھی تبدیل ہو گئے اور یہ معزز جریدہ ایک کاروباری ادارہ یا میگسٹائل مل بن کر رہ گیا۔ چنانچہ پھر اس کے خسارے کو اسی طرح محسوس کیا گیا جس طرح دوسرے کاروباری ادارے محسوس کرتے ہیں چنانچہ یہ احساس ہوتے ہی لیل و نہار کو بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اب خبر یہ ہے کہ "لیل و نہار" کے عملہ کو قاعدہ کے مطابق ایک ایک ماہ کے نوٹس جاری کر دیئے گئے ہیں اور اب یہ بات قریباً طے ہے کہ یہ موقر جریدہ ۳ مئی ۱۹۶۴ء کو عالم جاودانی کو سدھار جائے گا۔ لیل و نہار کی موت ایک تہذیبی، قومی اور ثقافتی المیہ ہے اور اس کی موت پر ہمیں اس جریدے کے بانی میاں افتخار الدین مرحوم کی روح پر فتوح جناب فیض احمد فیض، جناب سبط حسن اور اس کے موجودہ عملے سے دلی ہمدردی ہے۔ ع حق مغفرت کرے ۔۔۔۔

لیل و نہار کے اس حشر سے نیشنل ٹرسٹ کے منتظمین کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ جس اخبار یا رسالے کا کوئی مقصد نہ ہو وہ خلاکی لامحدود وسعتوں میں بھٹکتے ہوئے مصنوعی سیارے کی طرح آوارہ و سرگرداں ہی رہتا ہے اور بالآخر فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

درختانِ سبز

صوبائی اسمبلی کے سامنے والے پلاٹ کے درختوں کا مسئلہ ثقافتی اور تہذیبی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ارباب سیاست نے تو اس مسئلہ پر اظہار خیال نہیں کیا البتہ دانشوروں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا ہے — اور کافی ہاؤس سے لے کر پاک ٹی ہاؤس تک لاہور کارپوریشن اور اس کے "سیاست دروں" پر سخت نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ ان کے خیال میں درخت کاٹے جانے کے بعد اسمبلی "اہرام" سے زیادہ معلوم ہونے لگی ہے اور ہر وہ شخص جس نے ساتویں جماعت سے آگے پڑھنے کی کوشش کی ہے اب اسمبلی کی طرف دیکھنے کی بجائے تھانہ سول لائنز کا نظارہ کرتا ہے۔

لاہور کارپوریشن نے اپنی اس کارروائی کی کوئی وجہ بیان نہیں کی اور نہ ان کے پاس کوئی وجہ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سردار بہادر خاں نے قومی اسمبلی میں جو اشعار تلاوت کئے تھے ان کے نتیجے میں ان درختوں کو مرتبہ شہادت پر فائز کیا گیا۔ غالباً کارپوریشن کے محققوں نے یہ سمجھا کہ سردار بہادر خاں نے جن شاخوں پر الوؤں کے بیٹھنے کا انکشاف کیا ہے وہ یہی درخت ہیں چنانچہ "گلستان" کو الوؤں سے پاک کرنے کے لئے محققین کارپوریشن نے ان درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا کہ:

- جب شاخیں ہی نہیں رہیں گی تو الو کہاں بیٹھیں گے۔

راجہ غضنفر علی خاں مرحوم

پاکستان کے مشہور مدبر اور سیاستدان راجہ غضنفر علیخاں مرحوم کی پہلی برسی گذشتہ ہفتے منائی گئی۔ اس سلسلے میں لاہور کے مختلف الخیال سیاسی اور سماجی شخصیتوں نے ایک عام جلسے میں مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یہ مرحوم کی ہر دلعزیزی قابلیت اور جراتِ رندانہ کا ثبوت ہے۔

بلاشبہ مرحوم ہمہ گیر شخصیت کے مالک اور رزم و بزم کے شہسوار تھے انھوں نے ایک طرف تحریک پاکستان میں سرگرمی اور پورے جوش و خروش سے حصہ لیا تو دوسری طرف قیام پاکستان کے بعد آپ نے استحکام پاکستان کے لئے رات دن ایک کر دیا۔ انھوں نے سفارتی محاذ پر پاکستان کے لئے ایران، ترکیہ اور بھارت میں جو شاندار کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ اب بھی ان کے جانشینوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مرحوم نے ایران اور ترکیہ سے اپنے دورِ سفارت میں پاکستان سے جو تعلقات استوار کئے تھے وہ اتنے مضبوط ثابت ہوئے کہ اغیار کی سازشیں بھی اس پر نظر انداز نہ ہو سکیں اور یہ دونوں ملک پاکستان کے بہترین اور انتہائی قابلِ اعتماد دوستوں میں ہیں۔

مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے یہی بات کیا کم ہے کہ وہ ایک طویل عرصے تک سیاست میں رہنے کے باوجود اپنے حامیوں اور مخالفوں میں یکساں طور پر مقبول و معروف رہے اور کبھی بھی انھوں نے ذاتی رنجش پیدا نہ ہونے دی۔ سیاست میں ان کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ مسائل کا گہرا مطالعہ کرتے اور اپنی خداداد بصیرت کی روشنی میں انھیں حل کرنے کی سعی کرتے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کی روح کو ابدی سکون بخشے!

اسلامی دولتِ مشترکہ

سیاسی اور اقتصادی جائزہ

چودھری نذیر احمد خاں

بعض ممالک میں مسلمان اقلیتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا مثلاً بھارت میں، قبرص میں اور حال ہی میں حبشہ سے بھی اس قسم کی شکایت موصول ہوئی ہے۔ ان مظلوم مسلم بھائیوں کی مدد کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر اقدامات کرنے پڑیں گے۔ اس کے لیے بھی ان کے باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے اور اگر یہ دولت مشترکہ ممالکِ اسلامیہ کی صورت میں ہو تو اس کی خاص اہمیت ہو جاتی ہے۔ مسلم ممالک کی معدنی اور زرعی دولت کا ذکر کرکے میں اب آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے ان ممالک کو بہت کچھ دے رکھا ہے صرف نقص یہ ہے کہ ہم نے اپنی اس دولت کو غیروں کے ہاتھوں دیا ہوا ہے۔ اگر خود ہم ہی اس دولت کو زمین سے نکالیں اور خود ہی اسے قابلِ استعمال بنائیں تو ہماری حالت اور بھی سدھر سکتی ہے شکر ہے کہ اب اکثر مسلم ملکوں نے ایسا بندوبست کرنا شروع کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیے ہماری دولت کا ایک مختصر خاکہ :-

دنیا بھر کے کچے پٹرولیم کے ذخائر کا ۶۶ فیصد حصہ مسلم ملکوں میں ہے۔ کویت میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ تیل نکالنے والے چشمے موجود ہیں۔ قدرتی ربڑ کا ۷۰ فیصد، پٹ سن کا ۴۰ فیصد، پام آئل کا ۵۶ فیصد، گرم مصالحہ، لونگ وغیرہ کا ۷۰ فیصد کالی مرچ ۳۰ فیصد، کاپوک (سنبل کی قسم کی نہایت ملائم ریشہ دار پیداوار جو تکیوں اور لائف بیلٹ کے کام آتی ہے) ۸۰ فیصد، کونین کا ۹۰ فیصد، قدرتی گیس کے ذخائر قریباً قریباً نہ ختم ہونے والے، چاول، روئی، گندم، کوکو اور کافی کی پیداوار اتنی کہ نہ صرف اندرون ملک کے لیے ہی کافی ہے بلکہ برآمد بھی ہوتی ہے۔ یمن کی کافی دنیا بھر میں بہترین شمار کی جاتی ہے۔

اب ذرا ان مبینہ پس ماندہ ملکوں کی بڑی بڑی برآمدی اشیا کی مختصر روئیداد بھی سن لیجئے۔ ان میں چھوٹی چیزوں کا ذکر نہیں کروں گا حالانکہ ان کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔

عدن :- کافی، کھالیں، تمباکو، مچھلی، نمک، پٹرولیم۔

افغانستان :- قراقلی، اون، پھل، قالین۔

الجیریا :- پٹرول و گیس۔

بحرین :- پٹرول اور موتی۔

انڈونیشیا :- ربڑ، پٹرول، ناریل، ٹین، گرم مصالحہ، تمباکو اور پام آئل وغیرہ۔

ایران :- پٹرول، روئی، اون، پھل، قالین، چاول۔

عراق :- پٹرول اور کھجوریں۔ (غالباً دنیا کی تمام پیداوار کا ۸۰ فیصد حصہ)

اردن :- تانبا، مصنوعی کھاد اور تمباکو۔

کویت :- تیل۔

چودھری نذیر احمد خاں

مسقط و عمان :- کھجور، مچھلی اور پھل۔

نائیجیریا :- روئی، کھالیں، مونگ پھلی، ناریل، کوکو، اور ربڑ۔

پاکستان :- پٹ سن، روئی، سوت، مچھلی، چائے، اور نمک

قطار :- پٹرول۔

سعودی عرب :- تیل اور کھجوریں۔

سوڈان :- روئی، تل، گوند اور مونگ پھلی

شام :- گندم، جوار، روئی، انگور اور زیتون۔

لبنان :- سنگترے، کیلا، سیب، ناشپاتی، چیری بلازم، اون اور سیمنٹ وغیرہ۔

لیبیا :- تیل اور کھجوریں۔

ملایا :- ربڑ، ٹین، کوئلہ، خام لوہا، باکسائیٹ (جس سے المونیم بنتا ہے) اور چائے۔

مالی :- مونگ پھلی، چاول، گوند اور مویشی۔

مراکو :- فاسفیٹس، منگانیز، سکہ، سنگترے، جوار اور سبزی۔

شرجا :- تیل۔

تونس :- خام لوہا اور فاسفیٹس

ترکی :- پھل، تمباکو، روئی، اون، لوہا، کرومائیٹ، منگانیز تانبا اور کھالیں۔

مصر :- روئی اور سوت۔ یمن :- کافی۔ زنجیبار :- ناریل لونگ اور ابرق۔

یہ تو تھا مختصر ذکر بڑے بڑے برآمدی مال کا۔ اندرون ملک جن ضروری اشیا کی پیداوار ہوتی ہے اور جن کی کھپت وہیں ہو جاتی ہے اور جو معدنیات ملکی صنعتوں میں استعمال ہو جاتی ہیں ان کے بیان کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان ہی کو لیجئے جہاں قدرتی گیس بھی ہے، پٹرول بھی ہے، مصنوعی کھاد کے لیے خام مال ہے۔ ماریطانیا میں خام لوہا ہے۔ بعض افریقی مسلم ممالک میں یورینیم بھی ہے جو ایٹمی توانائی کے ضمن میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے اور آج سونے سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ غیروں نے اور خود ہم نے بھی ان معدنی ذخائر کو بروئے کار لانے کی کوشش نہیں کی ورنہ "اپنے وطن میں بہت کچھ ہے پیارے"۔ یہ مثالیں پیش کر کے میں یہ دہرانا چاہتا تھا کہ مسلم ممالک کی پسماندگی یا غریبی ایک بالکل عارضی اور مصنوعی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسی حالت میں مگن ہو چکے ہیں ورنہ دولت کے اتنے دفینے ہمارے ہاں موجود ہیں ان کو نکال کر ہم بھی دنیا کے امیر طبقوں میں شمار ہو سکتے ہیں۔ کیا اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

میں نے مسلمانوں کی عددی طاقت کا اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ محض اعداد و شمار کا خاکہ نہیں ہے بلکہ اس کی ذرا سی تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ بہادری، جوانمردی، شوقِ آزادی اور مجاہدانہ سرفروشی مسلمانوں کا شیوہ ہے اور ان کی فوجیں دنیا بھر میں اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔ انڈونیشیا اور الجیریا کی جنگ آزادی کی داستان خونیں سہی، اتنی حیات افروز اور روح پرور ہے کہ تاریخ اس پر شاہد رہے گی۔ ترک اور پاکستانی سپاہی دنیا بھر کا بہترین لڑا جوان مانا گیا ہے۔ غرضیکہ افرادی قوت میں عالم اسلام غالباً دنیا کے سب خطوں سے زیادہ امیر ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر ہم پست ہیں اور غیروں کے دست نگر ہیں تو اس میں ہمارا اپنا ہی قصور ہے کسی اور کا نہیں۔ خداوند تعالےٰ اب بھی ہمیں نیک ہدایت دے اور توفیق دے کہ قبضۂ غیر سے آزاد ہو سکیں۔

حسرت موہانی نے جو بات آج سے پچاس سال پہلے کہی تھی افسوس ہے کہ آج بھی وہ حقیقت حال بنی ہوئی ہے۔

غضب ہے کہ پابند اغیار ہو کر
مسلماں رہ جائیں یوں خوار ہو کر
سمجھتے ہیں سب اہل مغرب کی چالیں
مگر پھر بھی بیٹھے ہیں خوار ہو کر

آج بھی باوجودیکہ ہم وہ سب کچھ رکھتے ہیں جس کا مختصر ذکر میں کر چکا ہوں، ہم دوسروں کے محتاج بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے زندگی کے مقصد کو سمجھا ہی نہیں، سہل انگاری، غفلت، کاہلی اور تن آسانی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اقبالؒ کا یہ فرمودہ ہمیں یاد ہی نہ رہا۔ ؎

رازِ حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

سکوتورے

وہ کوشش جہاں ہر کامیابی منزل تصور نہیں ہوتی بلکہ سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسی کوشش جو ستاروں سے آگے اور جہانوں کی تلاش میں رہتی ہے۔ افسوس کہ جب سے ملتِ اسلامیہ سے یہ جذبہ مفقود ہوا جس کے باعث "بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے" اس وقت سے ہم نے غیروں کی برتری بلکہ غلامی کو بخوشی تسلیم کر لیا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر آج بھی ہم پھر اسی مجاہدانہ عزم کے ساتھ اپنی حالت بدلنے کا تہیہ کر لیں تو ہماری روحانی اور مادی دولت

ابوبکر تفاوے بلیوا

ہمیں پھر ہمارا کھویا ہوا مرتبہ دلا سکتی ہے۔

بعض دوستوں کا خیال ہے کہ پاکستان تو ہر حال میں اسلامی بھائیوں کی ہمدردی کے لیے بہت کچھ کرتا رہا ہے لیکن ان کی طرف سے پاکستان کے موقف کی تائید میں شاذ و نادر کوئی آواز اٹھی، ہو تو پھر جب یہ صورت ہو تو ہم کو چاہیئے کہ اتحاد کے اس محال کام کو چھوڑ دیں۔ اپنے ملک کے دھندے تھوڑے ہیں کہ ہم دوسرے کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتے پھریں۔

میری ذاتی رائے میں دوسرے ملکوں کے بھائیوں کی سرد مہری کی بھی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے کوئی دلی، منظم اور مستقل کوشش ان کو اپنے قریب لانے کی نہیں کی۔ ایک دو ڈگمگاتے قدم کبھی اٹھائے بھی تو وہ بھی دکھاوے کی خاطر: یا پھر یہ ہوا کہ ایک بھائی کی مدد کا وعدہ کر کے اسے پورا نہ کیا۔ اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کے باعث اٹھایا ہوا قدم واپس لے لیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ آپس میں مزید بدمزگی پیدا ہو گئی جس کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اور اس طرح حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ بین الاقوامی سیاست میں ایسے مقام بھی کبھی آ جاتے ہیں۔ فراست اور تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی غلط فہمیوں کو احسن طریق سے رفع کیا جائے نہ کہ ان کو ایک مستقل حیثیت دے دی جائے۔ دوسری وجہ پاکستان کے لیے ہر حال میں اتحاد کی کوشش جاری رکھنے کی یہ ہے کہ یہ بہرصورت ایک نیک کام ہے۔ بلکہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ نیکی میں جو بھی پہل کرے وہ اللہ کے ہاں سرخرو ہوگا۔

تیسرے یہ ہے کہ بانیانِ پاکستان میں سے ایک یعنی علامہ اقبالؒ نے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اپنا سارا فکری پیغام اس عالمی اتحاد اسلامی کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ ہر نوع وہ اپنے خطے کے مسلمانوں کو ہمیشہ یہی تلقین کرتے رہے کہ جب تک دنیائے اسلام میں مکمل اتحاد نہیں ہوگا مشرق کی نجات نہ ہو گی تو فرنگی سیاست کی لعنت دنیا کو ایک جہنم بنائے رکھے گی۔ انہوں نے ہر ملک کے مسلمان کو یہی پیغام دیا ہے کہ دیکھنا کہیں رنگ و نسل و خون و علاقائی عصبیت یا فرنگی تصور قومیت میں نہ کھو جانا۔ ؎

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گوہر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

دوسرے معمار پاکستان یعنی قائداعظم محمد علی جناح کو قدرت نے مہلت نہ دی کہ اس معاملے میں ملت کی واضح طور پر راہ نمائی کر سکتے لیکن ایک صحافی کے بیان کے مطابق جب وہ پاکستان بننے سے پہلے مزارِ اقبالؒ پر فاتح خوانی کے لیے گئے تو ان سے پوچھا گیا کہ پاکستان دوسرے اسلامی ملکوں سے اتحاد کے لیے کوشاں ہوگا تو آپ نے فرمایا "یقیناً"۔ پاکستان بنتے ہی جو کوشش اسلامی ممالک کو اقتصادی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کی گئی اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر قائداعظم اور زندہ رہتے تو ضرور دنیائے اسلام کی خدمت کی طرف توجہ دیتے۔ (باقی آئندہ)

اسلام آباد کی چند تصاویر
جو انعامی مقابلے میں اوّل آئیں ••

تیسرے درجے کے قہوہ خانوں اور
چائے کے ہوٹلوں کا شہر

لائلپور

قمر لدھیانوی

سگریٹوں کی ڈبیوں پر
فلمی گانوں کی فرمائشیں
لکھنے والے نوجوان گاہک
اور
ہاتھوں میں چائے کی پیالیوں کا
مینار بنانے والے بیرے

لائلپور کی شہرت یہاں کی ٹیکسٹائل ملوں کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ قیام پاکستان کے بعد یہاں یکے بعد دیگرے جو عظیم ٹیکسٹائل ملیں قائم ہوئیں ان کی وجہ سے ہمارا ملک کپڑے میں خود کفیل ہو گیا ہے اور اس طرح کروڑوں روپے کے اس زرمبادلہ کی بچت بھی ہونے لگی جو ہمیں ہر سال کپڑے کی درآمد پر خرچ کرنا پڑتا تھا۔

لیکن لائل پور سے باہر بسنے والوں کو شاید معلوم نہیں کہ یہاں تیسرے درجے کے قہوہ خانوں اور چائے کے ہوٹلوں کی تعداد میں بھی اس قدر اضافہ ہو چکا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ چھوٹے موٹے ہوٹل، شہر کی گلیوں، بازاروں اور محلوں میں غرضیکہ ہر جگہ موجود ہیں، ان میں اکثریت ایسے ہوٹلوں کی ہے جہاں پر ہر وقت فلمی ریکارڈ بجتے رہتے ہیں اور تصوراتی ہیرو چائے کی چسکیوں کے ساتھ فلمی تانوں پر بھی سر دھنتے ہیں، ایسے ہوٹلوں کی زیادہ تعداد طویل دعریض جھنگ بازار میں ہے — جھنگ بازار یوں بھی عوامی بازار ہے جہاں سبزیوں پھلوں اور مٹھائیوں اور مچھلیوں کی مختلف مارکیٹیں ہیں، جن میں تمام چیزیں بازار کے مقابلے میں کم نرخوں پر میسر آتی ہیں۔ یہاں سبزیاں اور پھل چھابڑیوں میں فروخت ہوتے ہیں۔ فٹ پاتھوں کے ساتھ ساتھ یہ چھابڑیاں قطار در قطار نظر آئیں گی۔ بعض افراد یہ سبزیاں اور پھل چھابڑیوں کی بجائے زمین پر ڈھیر لگا کر بھی فروخت کرتے ہیں۔ یہاں سستی قسم کی مٹھائیاں ڈھیروں پڑی مل سکیں گی اور گول بازار کے قریب مختلف اقسام کی مچھلیاں بھی تھوک و پرچون بھاؤ پر حاصل کی جا سکیں گی۔

یہاں کے چائے کے ہوٹل اگرچہ نہایت تنگ و تاریک ہیں لیکن ان میں گیلریاں بنا کر زیادہ گاہکوں کی گنجائش پیدا کی گئی ہے ان ہوٹلوں کا کاروبار صرف ریکارڈنگ پر چلتا ہے۔ گاہکوں میں زیادہ تر بے فکرے لوگ شامل ہوتے ہیں اور ان میں بھی اکثریت مقامی کالجوں کے طلبا کی ہوتی ہے جو تکلف کے طور پر سستانے کی غرض سے یہاں آ بیٹھتے ہیں۔ بقول شاعر

آ اے غم دوراں در میخانہ ہے نزدیک!
آرام سے بیٹھیں گے کوئی بات کریں گے

یہ نوجوان چائے کے آرڈر کے ساتھ ہی سگرٹوں کی خالی ڈبیہ کی چٹ بنا کر اس پر کوئی دل پسند فلمی مصرعہ فرمائش کے طور پر لکھتے ہیں اور بیرے کو تھما دیتے ہیں۔ چائے آنے سے پہلے ہی ان کا فرمائشی ریکارڈ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ نوجوان اس ریکارڈ کے ساتھ ساتھ "ریہرسل" کے طور پر خود بھی گنگناتے ہیں اور ساتھ ساتھ چائے پیتے رہتے ہیں چنانچہ ان ہوٹلوں میں گانے سننے کے رسیا نوجوانوں کی اس قدر بھیڑ ہوتی ہے کہ اکثر اوقات گاہکوں کو باہر کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔

تفنن برطرف! انہی ہوٹلوں میں بیٹھنے والے کچھ ایسے نوجوان بھی ہوتے ہیں جو مستقبل کی فلم انڈسٹری کے ہیرو ہوں گے۔ ان نوجوانوں کے ذہنوں میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے فلمی ڈائیلاگ، گانے، کہانیاں اور دھنیں جنم لیتی رہتی ہیں اور وہ تصور ہی تصور میں فرضی ہیروئن

کے گلے میں باہیں ڈال کر خواب ناک لہجے میں کہتے ہیں:
"ڈارلنگ! میں تمہارے لئے آسمان کے تارے بھی توڑ کر لا سکتا ہوں۔ میں تمہارے قدموں میں دنیا بھر کے خزانوں کا ڈھیر لگا سکتا ہوں لیکن کاش — میں اس ہوٹل کے بل سے پیچھا چھڑا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں بیٹھنے والے بہت سے نوجوان اقتصادی طور پر اپنے گھر والوں کے محتاج ہوتے ہیں، چنانچہ وہ اپنا جیب خرچ ان ہوٹلوں کی نذر کر دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے پسندیدہ فلمی ریکارڈ دل بھر کر نہیں سن سکتے اور انہیں اکثر حالتوں میں ادھار کے لئے ہوٹلوں کے بیروں اور مالکوں سے گٹھ جوڑ کرنا پڑتا ہے۔

ان ہوٹلوں کے بیرے بھی بڑے بانکے اور چھیل چھبیلے ہیں انہیں اکثر چائے کی پیالیوں کا طویل مینار تھامے فلمی اشعار گنگناتے اور تھرکتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک بیرے نے بتایا کہ ایسے ہوٹلوں کے بیرے کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان ہوٹلوں کے ماحول کے عادی ہو چکے ہیں کسی دوسری جگہ کام کرتے ہوئے انہیں کاروباری جگہ پر مرگ آں ماحول کا سا گمان گزرتا ہے اور پھر وہ بہت جلد وہاں سے پیچھا چھڑا کر بھاگ نکلتے ہیں اور پھر وہ ہوتے ہیں اور وہی ہوٹل، گویا غالب کی زبان میں

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے!

جھنگ بازار سے نکلئے تو دوسرے بازاروں میں بھی ایسے ہی چھوٹے قہوہ خانے اور ہوٹل نظر آئیں گے۔ ان میں صرف چائے ملتی ہے اور بعض ہوٹلوں میں تو ایسی "ریڈی میڈ" چائے دی جاتی ہے جو صبح سویرے تیار کر لی جاتی ہے اور پھر سارا دن وقفے وقفے کے بعد اسی میں پانی اور پتی پڑتی رہتی ہے تاکہ چائے دانی خالی نہ ہو۔ چائے کے شوقین اس "ریڈی میڈ" چائے کو بہت پسند کرتے ہیں اور دور دور سے اس کے لئے کھنچے چلے آتے ہیں۔ ان شوقین لوگوں کو اگر کبھی تازہ چائے بنا کر دی جائے تو وہ اسے "کچا پانی" کہہ کر پینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ریڈی میڈ چائے فروخت کرنے والے ہوٹل کارخانہ بازار، کچہری بازار، ایس پی بازار، چنیوٹ بازار اور بھوانہ بازار میں واقع ہیں۔ یہاں کئی ہوٹلوں میں دیسی چینی اور ولائتی دودھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض بازاروں میں خالص "شرفا" کے لئے بھی چائے ہوٹل موجود ہیں جن میں ریکارڈنگ نہیں کی جاتی۔ چنانچہ یہاں دنیا بھر کے مسائل پر گپ شپ چلتی ہے ایسے ہی ہوٹلوں میں چنیوٹ بازار کا ایک ہوٹل شامل ہے جو مارشل لا سے پہلے سیاسیات کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اس ہوٹل میں ایسے آزاد خیال لوگ بھی آ بیٹھتے تھے جو اگر کسی دوسرے ہوٹل میں بیٹھیں تو انہیں بہت جلد شہر چھوڑ کر بھاگ جانا پڑے۔

یہ واقعہ مارشل لا کے نفاذ سے پہلے سردیوں کی ایک رات کا

جمہوریت کی روح چونکہ مادہ پرستانہ تھی اور اس جمہوریت میں ایک فرد کے قوئی اور مضمرات پروان نہیں چڑھ سکتے تھے۔ اقبالؒ کے فلسفہ میں خودی اس کی تشکیل و تعمیر، انضباط و استحکام اور "مرد کامل" بن جانا اور ایسے کامل افراد کے مجموعہ سے ایک کامل سوسائٹی کا جنم لینا نقطہ ماسکہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو چیز بھی ان کے اس نصب العین سے متصادم ہوتی ہے وہ بری ہے وہ جمہوریت کو یوں بھی کوئی بہترین طرز حکومت تصور نہیں کرتے۔ اس کی بہت زیادہ وجوہات ہیں۔

اول۔ سلطنت کا کاروبار، اس کا نظم و نسق ایک انتہا درجہ کا پیچیدہ اور ذمہ داری کا مسئلہ ہے اس لیے عوام میں سے سب سے زیادہ قابل اور دیانتدار افراد کو اس کام کا موقع ملنا چاہیئے لیکن جمہوریت میں ایسا ممکن نہیں۔ کیونکہ جمہوریت میں تو وہی شخص برسرِ اقتدار آسکتا ہے جسے اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔ کنبہ برادری، میل جول اور دولت کے بل بوتے پر ادنیٰ اور متوسط درجہ کے لوگ سامنے آجاتے ہیں اور اعلیٰ دماغوں اور شخصیتوں کو موقع نہیں ملتا۔ اس طرز حکومت میں قابلیت نہیں بلکہ مقبولیت ایک معیار ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

" جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ عوام کی بے جا مداخلت اور حق رائے دہی کی وسعت کی وجہ سے بہت زیادہ فرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ حکومت مضبوط اور پائیدار نہیں رہتی۔ آئے دن کے انقلابات اور سریع الوقوع تغیرات قومی تعمیر اور ترقی کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔" ؎

متاعِ معنیٔ بے گانہ از دوں فطرتاں جوئی
ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانی نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

جمہوری طرز حکومت اور اس کے طریقہ کار سے پارٹی بازی، گروہ بندی اور گروہی مخاصمتوں کو ہوا ملتی ہے۔ اس میں ایک گروہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

فرنگ آئینِ جمہوری نہاد است
رسن از گردنِ دیوے نہاد است
گروہے را گروہے در کمیں است
خدایش یار اگر کارش چنیں است
چو رہزن کاروانِ در تگ و تاز
شکمہا بہر نانے در تگ و تاز
زمن دہ اہلِ مغرب را پیامے
کہ جمہور است تیغِ بے نیامے

ثانیاً۔ ملوکیت سے علامہ اقبالؒ کو نفرت تھی۔ علامہ اقبالؒ جمہوریت میں بھی ملوکیت اور اس کے استبداد کو دیکھتے ہیں اس میں بھی غریب اسی طرح چیختا چلاتا، بلبلاتا اور آہ و فغاں کرتا ہے جو ملوکیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس میں سیاسی انصاف یعنی ووٹ کا حق تو اسے مل جاتا ہے لیکن معاشی انصاف سے وہ محروم نظر آتا ہے جمہوریت میں بھی انہیں امراء اور جاگیرداری قوم کی کشتی کے ناخدا نظر آتے ہیں۔ غریب کا زمامِ اقتدار تک پہنچنا ایک امرِ محال ہے۔ ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار، اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی ہے سرمایہ داروں کی جنگِ زرگری

جمہوریت بھی ملوکیت کا ایک پردہ ہے جہاں سے وہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر ان کی آنکھوں کو خیرہ کر کے اپنے مزعومہ مقاصد کو پورا کر سکتی ہے۔ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ میں ابلیس کا دوسرا مشیر سوال کرتا ہے۔

؎ خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر!
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

تو جواب دیتا ہے۔ ؎

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا پردہ ہو اس سے کیا خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناسی و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

مغربی جمہوریت اور مغربی نظریۂ قومیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے میکاولی اور دوسرے نیشنلسٹ مفکرین نے مذہب و اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر رنگ و نسل، زبان اور وطن کو قوم کی بنیاد قرار دیا اور ویسے بھی جدید مملکت کی یہ صفت ہے کہ یہ اپنے نظامِ فکر کو وطنیت کے اجتماعی فلسفہ پر مبنی قرار دیتی ہے۔ وطنیت اس کا دین و ایمان ہے لیکن چونکہ اقبالؒ انسانوں کی اجتماعی ہیت کی مخصوص تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے قومیت اور وطنیت کو اسلام اور اسلامی روایات کا نقیض خیال کرتا ہے۔ انہوں نے قوم کے لیے لفظ ملت استعمال کیا ہے"۔ میں نے لفظ ملت قوم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں شرع و دین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن حال کی عربی فارسی اور ترکی زبان میں بکثرت سندات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت قوم کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ میں نے اپنی تحریروں میں ملت بمعنی قوم ہی استعمال کیا ہے"۔ انہوں نے اپنی قومیت کی بنیاد رنگ و نسل، زبان و وطن کے بجائے مذہب پر رکھی ہے۔ اس موضوع پر ان کے اشعار بھی کافی تعداد میں ملتے ہیں اور ان کے ایک مارچ ۱۹۳۸ء کے ایک مضمون میں بالصراحت اس قومیت کی تفصیل ملتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف اسی ملی نظریے کے تحت ایک عالم گیری نظام اور آفاقی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے

" ان گزارشات سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں" قوم"، رجال کی جماعت کا نام ہے اور یہ جماعت بہ اعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن "ملت" سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔ گویا ملت یا امت جاذب ہے اقوام کی۔ خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی"

علامہ وطنیت کے مغربی تصور کے بھی مخالف تھے۔ وہ وطن دوستی یا حب الوطنی کے مخالف نہیں بلکہ وطن پرستی اور وطنیت کے مخالف ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں :۔

" یہ ارشاد کہ اقوام اوطان سے بنتی ہیں۔ قدیم الایام سے اقوام اوطان کی طرف اور اوطان عوام کی طرف منسوب چلے آتے ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ہم سب کرۂ ارضی کے اس حصہ میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ۔ وطن کا لفظ جو اس قول میں استعمال ہوا ہے محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور اسی حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس کے حدود آج کچھ ہیں اور کل کچھ۔ کل تک اہلِ برما ہندوستانی تھے اور آج برمی ہیں۔ ان معنوں میں ہر انسان اپنے فطری جنم بھوم سے محبت کرتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لئے قربانی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ بعض نادان لوگ اس کی تائید میں "حب الوطنی من الایمان" کا مقولہ حدیث سمجھ کر پیش کرتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وطن کی محبت انسان کا فطری جذبہ ہے اس کی پرورش کے لیے اثرات کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر زمانہ حال کے سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں بلکہ وطن ایک اصول ہے ہیت اجتماعیہ اسلامیہ کا! اور اس اعتبار سے ایک سیاسی تصور ہے۔ چونکہ اسلام بھی ہیت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے اس لیے جب لفظ وطن کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔ علامہ وطن کو اس لحاظ سے ایک بت خیال کرتے ہیں، سب سے بڑا بت!

؎ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا وہ مذہب کا کفن ہے

اور یہ حقیقت ہے کہ وطنیت کا یہ جذبہ مصنوعی ہے اور اقبال ملوکیت یا امپیریلزم کو جارحانہ وطنیت کا ایک شاخسانہ قرار دیتا ہے اور اسلامی تعلیمات کی ضد قرار دیتا ہے۔ چونکہ مغربی جمہوریت کا خمیر بھی اسی قومی اور وطنی جذبات سے اٹھا ہے اس لیے وہ اس جمہوریت کو بھی پسند نہیں کرتے۔

جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ جس قسم کا دستور چاہیں کثرت رائے سے پاس کر سکتے ہیں وہ جس قسم کا نظریہ حیات چاہیں اپنے لیے پسند کر لیں لیکن اقبال ایک اسلامی مفکر ہونے کی حیثیت سے صرف خدا کو ہی اقتدار اعلیٰ کا منبع قرار دیتے ہیں اور حکومت کو تو احکامِ الٰہیہ کا معاشرہ میں قیام و نفوذ قائم کرنے والا ایک ذریعہ خیال کرتے ہیں

اشتراکیت اور اقبالؒ

مغربی جمہوریت اور اس کی ناانصافیوں سے اشتراکیت ایک تحریک اور ایک مذہب کی صورت میں سامنے آئی۔ جس نے نہ صرف سیاسی انصاف کا نعرہ لگایا بلکہ معاشی انصاف بھی دیا۔ علامہ اقبالؒ اس تحریک کو قرآنی روح کے نزدیک سمجھتے ہیں اور انہوں نے اشتراکی تحریک کے ایجابی پہلو کی پرجوش طریقہ سے تعریف و تحسین کی ہے اس لیے بعض لوگوں کو ان کے کمیونسٹ ہونے کا شبہ ہے۔ جاوید نامہ میں جمال الدین افغانی کی زبان سے روسیوں کو جو پیغام دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیصریت کی شکست، سود کی مذمت، زمین پر خدا کا قبضہ، انسانی برادری کی مساوات' میں روسی اور مسلمان متحد الخیال ہیں

؎ ہمچو ما اسلامیان اندر جہان
قیصریت را شکستی استخوان
ہیچ خبر از مروکِ زرکش محو
لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا

: علامہ اقبال اشتراکی فلسفہ کو قرآن کے نظریہ حکومت اور قرآنی تعلیمات کے قریب قرار دیتے ہیں۔ ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

اخلاقی حیثیت سے بھی وہ اشتراکیت کی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ پیام مشرق میں مزدور و سرمایہ دار کے نام سے ایک نظم لکھی ہے اس میں ان دونوں کا موازنہ کیا ہے ؎

غوغائے کارخانہ ٔ آہنگری زمن
گلبانگ ارغنونِ کلیسا ازاں تو
نخلے کہ شہ خراج برومی نہد زمن
باغِ بہشت و سدرہ و طوبیٰ ازاں تو
تلخابہ کہ درد سرآرد ازآں من
صہبائے پاک و آدم و حوّا ازاں تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازاں من
ظلِ ہما و شہپر عنقا ازاں تو
ایں خاک وآنچہ درشکم او ازاں من
وز خاک تابہ عرشِ معلیٰ ازاں تو

اشتراکیت نے طبقاتی کشمکش کو ختم کر کے ملوکیت کا پردہ چاک کیا ہے۔ مشیرانِ ابلیس اشتراکی نظام سے خائف نظر آتے ہیں۔

؎ روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تجلی، وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

علامہ نے جہاں اس تحریک کی تعریف وتحسین کی ہے وہاں اس پر تنقید بھی کی ہے کیونکہ اس نے اپنی بنیاد الحاد، مذہب سے بیزاری اور شکم پرستی پر رکھی ہے۔ اس تحریک کے پاس کوئی عالمی نظریۂ حیات نہیں جس پر سب لوگ اکھٹے ہو سکیں۔

وہ فرماتے ہیں :۔ ؎

صاحب سرمایہ از نسلِ خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل
زانکہ حق در باطل او مضمر است
قلب او مومن دماغش کافر است

اشتراکیت نے "لا" کے مقام تو طے کر لیے ہیں لیکن اس میں "الّا" کی ابھی ضرورت ہے۔ لیکن اشتراکیت غلط رہنمائی کی وجہ سے اس سے آگے قدم نہ بڑھا سکی۔ اس لیے اب یہ تحریک اپنا تخیل اور گہرائی کھو چکی ہے۔ ابلیس بھی اس اشتراکی نظام سے خوف محسوس نہیں کرتا۔ ؎

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشان روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
جانتا ہے جس پہ روشن گردشِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

وہ صرف اسلامی نظام سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ ؎

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی مغفور و خاقان نے فقیر راہ نشیں
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

لیکن سوال یہ ہے کہ ابلیس اسلام سے کیوں لرزہ براندام ہے اسلامی نظامِ مملکت کی بنیاد وطنیت یا قومیت پر نہیں بلکہ وہ تو ان سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تنزیہی تصور ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھنے اور پھلتے رہنے کی قابلیت موجود ہے۔ اسلامی قومیت کا تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا اصل اصول نظامِ کائنات کے متعلق ایسا اتحاد خیال ہے جو سب انسانوں کو ایک رشتۂ وحدت میں پرو سکتا ہے۔

؎ قلب ما از ہند و شام و روم نیست
مرز و بوم او بجز اسلام نیست

اقبال اپنے انگریزی خطبات میں لکھتے ہیں "اسلام بحیثیتِ نظام سلطنت کے اس اصول (یعنی توحید) کو انسانوں کی ذہنی اور جذباتی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے اس کا مطالبۂ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ بادشاہ اور تاج کے لیے؛ اور چونکہ خدا تعالےٰ تمام زندگی کی روحانی اساس ہے اس لیے اس کی وفاداری اور فرمانبرداری کا دراصل یہ مطلب ہے کہ انسان خود اپنی فطرت کی فرمانبرداری کرتا ہے۔"

سید الطاف حسین صاحب "ملفوظاتِ اقبال" میں لکھتے ہیں۔ "ڈاکٹر صاحب نے اسلامی نظام پر اظہارِ خیال کی ابتدا کرتے ہوئے کہا کہ انسان ایک فردِ یکتا یا گوہرِ یکتا ہے۔ جس کی ترکیب روح اور مادہ سے ہوئی ہے لہذا ہر وہ نظامِ حکومت جو محض انسان کی جسمی یا مادی ضروریات کو پورا کر سکے۔ انسان کی تشفی نہیں کر سکتا اور نہ ہی نوعِ انسانی اس نظام کے وضع کردہ راستہ پر گامزن ہو کر ارتقائی سیاست سے بہرہ اندوز ہو سکتی ہے۔ اسلام دین و سیاست میں تفریق اس لیے روا نہیں رکھتا کہ انسان کی ہیئت ترکیبی ان ہر دو عناصر کے امتزاج کے متقاضی ہے۔ اسلامی نظام حکومت نہ جمہوریت ہے نہ ملوکیت اور نہ ہی مذہبی حکومت بلکہ ایک ایسا مرکب ہے جو ان تمام کے محاسن سے متصف اور قبائح سے منزّا ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت میں بھی اگرچہ امیر کا انتخاب ہوتا ہے لیکن وہ موجودہ انتخابات سے مختلف ہے۔ اسلامی امیر عمر بھر کے لیے منتخب ہوتا ہے اور اس طرح روز روز کے انتخابات سے تفرقہ بازی پیدا نہیں ہوتی اور مملکت کو پائیداری اور استحکام میسر آتا ہے۔ دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ ایک اسلامی امیر اپنے آپ کو اس منصب کے لیے پیش نہیں کر سکتا اور اگر ایسا کوئی کرے تو وہ اس کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ اسلامی نظامِ حکومت اور نظریہ خلافت ایک زندہ حقیقت کے طور پر رسولِ اکرم اور خلفائے راشدین کے دور میں چلتا رہا لیکن اس کے بعد بادشاہت اور ملوکیت نے جگہ لے لی۔

لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے جمہوریت یا نظریۂ حکومت کے متعلق کیا تصورات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ نظریۂ سلطنت میں بھی عقل بنیاد عل کے مخالف ہیں کیونکہ عقلی قوانین میں انسان کی خود غرضی اور انفرادیت پرستی کی چاشنی شامل ہوگی۔ ؎

عقل خود بین غافل از بہود غیر
سود خود بیند نہ بیند سود غیر
وحی حق بینندۂ سود ہمہ
در نگاہش سود و بہود ہمہ
عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف
وصل و فصلش لا یراعی ولا یخاف
غیر حق چوں ناہی و آمر شود
زور ور بر ناتواں قاہر شود

اشتراکیت اور جمہوریت میں روح و مادہ، دین و دنیا کی تفریق ہے لیکن علامہ کے نزدیک یہ تفریق غلط ہے۔ ؎

تن و جان را دو تا گفتن کلام است
تن و جان را دو تا دیدن حرام است
بدن را تا فرنگ از جان جدا دید
نگاہش ملک و دین را ہم دو تا دید

اس لیے ڈاکٹر صاحب کا نظریہ وہی ہے جس میں مادیت و روحانیت، دین و دنیا، سیاست و مذہب کا حسین امتزاج ہو۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرانشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

اور یہی ایک طرز حکومت ہے جس میں ایک آدمی بادشاہ ہو کر بھی فقیر ہو سکتا ہے اور ایک فقیر ملوکیت کا شیرازہ درہم برہم کر سکتا ہے ؎

در افتد با ملوکیت کلیمے
فقیرے بے کلاہے بے گلیمے
گہے باشد کہ بازیہائے تقدیر
بگیرد کار صرصر از نسیمے

علامہ اقبال کی یہ خواہش تھی کہ جمہوریت کی نئی توجیہہ کی جائے علامہ نے اپنے خطبۂ "اسلام میں حرکت کا اصول" میں تین چیزوں کی شدت سے ضرورت محسوس کی۔

(۱) کائنات کی روحانی تعبیر

(۲) ایک فرد کی روحانی آزادی کا تصور

(۳) اور عالمی اہمیت کے بنیادی اصولوں کو سامنے لانا جن سے انسانی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر ہو سکے۔

علامہ نے ان اصولوں پر شرح و بسط سے تو نہیں لکھا لیکن پھر بھی اپنے خطبات میں اور اپنی شعری وجدانیت سے اس کو کافی حد تک انجام دیا ہے۔ اقبال محسوس کرتے ہیں کہ یورپ اور یورپ کا مادی فلسفہ دنیا کی ترقی کے لیے ایک بہت بڑی رکاوٹ بن گیا ہے۔ مسلمانوں کے پاس آخری نبی کا پیغام ہے اور یہ کام آج کے مسلمان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہیں۔ وہ اس صورت حال کو سمجھیں اور اپنے ان حتمی اصولوں کی روشنی میں اس سماجی ڈھانچہ کی تجدید کریں اور اسلام کے مقصد کے مطابق وہ اس روحانی جمہوریت کا ارتقاء عمل میں لائیں جو اسلام کا نصب العین ہے۔

آج دنیا میں جمہوریت کا وہ تصور نہیں جو پہلے تھا اور ایسی ایسی توجیہات پیش ہو رہی ہیں جس کا تل، دے توک، آور برائس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ اقبال بھی جمہوریت کی نئی توجیہہ چاہتے ہیں۔ وہ حقیقی جمہوریت کے مخالف نہ تھے۔ انہوں نے صرف اس جمہوریت کو ہدفِ تنقید بنایا ہے جو ملوکیت اور سرمایہ داری کو اپنے دامن میں پناہ دیتی تھی۔ آج یورپ میں جمہوریت اور اشتراکیت کی موجودہ کشمکش سے ممکن ہے وہ نظریہ اٹھے جو اسلامی نظریہ مملکت کے عین مطابق ہو وہ آزادئ افراد اور آزادئ اقوام کے قائل ہیں اور ان کے اخلاقی و سیاسی فلسفہ کی تکمیل بجز آزادی کے ممکن نہیں ہو سکتی۔ شخصیت کی تشکیل و تعمیر، انضباط و استحکام اس وقت تک ممکن نہیں ہیں جب تک کہ فرد کو آزادی کی فضا میسر نہ ہو۔ غلاموں کی بصیرت پر انہیں ہمیشہ شبہ رہا ہے۔ ؎

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

بہرحال علامہ اقبال اجتماعی زندگی کے لیے روحانی نظام حکومت کے قائل ہیں لیکن اس کی کسی مخصوص خارجی شکل کو مطلق اور دائمی خیال نہیں کرتے۔ ہر قسم کا طرزِ حکومت درست ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے انسانی اعمال نتیجہ خیز بنتے ہوں اور نظام عدل نافذ ہوتا ہو۔ علامہ اقبال نے "اسرار و رموز" میں جس "انسان کامل" اور کامل سوسائٹی کا متخیلہ نقشہ کھینچا ہے۔ وہ موجودہ اندازِ خیال، موجودہ جذبات اور ارادوں سے بالکل جدا ہوں گے۔ اس معاشرہ کا ہر فرد فردِ کامل ہوگا۔ اقبال اپنے مستقبل کے اس معاشرہ کو اسلامی معاشرہ کے قریب سمجھتے ہیں۔

ان کا یہ تخیل کسی اندھی بہری اور جامد تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ عملی سہولتوں اور نظامِ اسلامی کے ترقی پذیر ممکنات کی موجودگی نے انہیں اس یقین پر مجبور کر دیا۔ اسلام حقیقت میں کائنات کے ضمیر میں ہنوز ایک تخیل کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن فطرت کی قوتیں عمل و رد عمل اس تخیل کو وجود میں لا رہی ہیں۔

اور جب یہ تخیل اپنے تمام مضمرات کو واقعات کا رنگ دینے لگا تو پھر وہ انسان کامل کی سٹیج ہو گی جس کا اقبال کو یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ ؎

اے سوار اشہب دوراں بیا
اے فروغ دیدہ امکاں بیا

اور خدا خود بھی اس کی تلاش میں ہے۔

جمہوریت ایک نصب العین

علامہ اقبال جمہوریت کو بھی دین کی طرح ایک نصب العین قرار دیتے ہیں اس لیے وہ موجودہ جمہوریت، اشتراکیت اور دوسرے نظام ہائے سلطنت سے بیزار نظر آتے ہیں۔ اسلام میں بہترین جمہوریت کے عناصر موجود ہیں اور بقول اقبال ان کو خاص اداروں میں مجسم ہونے کی تلاش ہے۔ وہ جمہوریت کو ایک میکانکی عمل خیال نہیں کرتے بلکہ اسے ایک آئیڈیالوجی خیال کرتے ہیں۔ جو زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ ہر قسم کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ لیکن اقبال کے ذہن میں جمہوریت کا وہی نقشہ ہے، جسے کچھ عرصہ کے لیے اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس حکومت میں حکمرانوں کا کوئی طبقہ نہ تھا۔ ہر طرح کی آزادئ ضمیر تھی۔ مملکت رفاہی تھی اور عمر فاروق جیسا جلیل القدر انسان راتوں کو گردش کر کے دیکھتا تھا کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ یہ تھے مساوات حقوق اور عوام کی حکومت عوام کے لیے!

علامہ اقبال بھی ایک ایسا نظام چاہتے تھے جہاں بنیادی انسانی حقوق ہوں، زندگی کی اساسی ضروریات میسر ہوں۔ جہاں حکمران علم و اخلاق کی بنیاد پر منتخب ہوں، درویش منش ہوں، جبر، خوشامد اور زرپاشی سے عوام سے ووٹ کے طالب نہ ہوں۔ اگر یہ صورت ہو تو جمہوریت اور جمہوریت کے ادعات مثلاً مساوات، اخوت اور حریت، ملوکیت اور آمریت کی بھیس بدلی ہوئی شکلیں ہیں۔

علامہ اقبالؒ کا نظریہ جمہوریت اسلامک سوشلزم سے ملتا جلتا ہے۔ اگر اشتراکیت اپنی بنیاد اخلاق اور مذہب پر استوار کرے اور خدا کو اقتدارِ اعلیٰ کا منصب دے دے تو وہ عین اسلام ہے۔ مذکرہ بالا مباحث سے یہ اخذ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ علامہ اقبالؒ مغربی جمہوریت کی اس جارحانہ وطنیت، ملوکیت، اخلاق و مذہب سے بے تعلقی اور اس کے جھوٹے وعدوں کی وجہ سے تنقید کرتے ہیں اور وہ اسلامی خلافت اور "روحانی جمہوریت" کے حرکی اور نظریاتی اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

آج پاکستان میں بھی، ہمیں ان مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے کچھ لوگ اپنے مخصوص فائدوں کے پیشِ نظر مغربی جمہوریت کو بعینہٖ اسی صورت میں یہاں لانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایک مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے اور خاص جغرافیائی و معاشرتی حالات کے پیش نظر اس میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ کے دیئے ہوئے نظریات اور ان کی فکر کے خطوط ہماری شب تیرہ و تار میں روشنیوں کا پیغام لا سکتے ہیں اور ہمیں منزل کی سمت بڑھنے کے لیے صحیح جادہ کی طرف راہنمائی کر سکتے ہیں۔

بقیہ لائلپور

بازار کے ہوٹلوں میں بُرا جا کر بیٹھنے والے لوگ نہیں آتے۔ یہاں کے ہوٹلوں کا کاروبار انہی کاروباری لوگوں کی وجہ سے چلتا ہے اور زیادہ تر چائے دکانوں اور دفتروں میں منگوائی جاتی ہے یا پھر کچہری کا عملہ ان ہوٹلوں میں آ کر بیٹھتا ہے کچہری کا کچھ عملہ اپنے "گاہکوں" سے باقاعدہ لین دین کا سودا انہی ہوٹلوں میں کرتا ہے، لین دین نہ بھی ہو سائل اپنا کام کرانے کے لئے اس عملے کی دعوتیں انہی ہوٹلوں میں کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کیک پیسٹری اڑانے کے ساتھ ساتھ عموماً ایسے جملے بھی سننے میں آتے ہیں ؎

"بابو جی! میرا کام ہو جائے تو آپ کا منہ میٹھا کراؤں گا۔"
"تو محض رشوت شر ہے۔ میرا لڑکا بے قصور ہے۔ اس کا نام عداوت کی وجہ سے محض دشمنی کی وجہ سے رکھا ہوا ہے اور اب اس کی ضمانت ہی۔ دڑسے اٹکائے جا رہے ہیں۔ اگر آپ میرے بیٹے کی ضمانت کرا دیں تو حشر تک آپ کا احسان مانوں گا۔"

انسے ہوٹلوں میں ایسے جملوں پر کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ چائے بنانے والے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور بیرے آرڈر سن کر اس کی تعمیل میں بھاگتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ ان جملوں کی آڑ میں سودے طے پاتے ہیں اور پھر ان کی تکمیل کچہری میں ہوتی ہے ان ہوٹلوں میں صرف سودے چکائے جاتے ہیں۔

یہاں کے ہوٹلوں میں ریڈی میڈ چائے بھی بہت کم چلتی ہے کیونکہ ان میں زیادہ تر گاہک وہ ہوتے ہیں جو قلم کے مزدور ہیں۔ یہ لوگ اپنی ذہنی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے چائے پیتے ہیں اور ظاہر ہے ذہنی تھکاوٹ صرف تازہ بنی ہوئی چائے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ ایسی چائے جس میں پتی کی خوشبو بھاپ بن کر اڑ رہی ہو اور جو قوت شامہ سے مس ہوتے ہی ذہنی کوفت دور کر سکے اور انہیں قلم کی مزید گھس گھس کے لئے تازہ دم کر سکے۔

لائلپور میں چائے کے صرف دو یا تین اچھے ہوٹل ہیں جو گھنٹہ گھر کے ارد گرد واقع ہیں اگرچہ پانچ چھ لاکھ کی شہری آبادی میں دو یا تین ہوٹل نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن اس کے باوجود اچھے ہوٹلوں میں کبھی رش نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لائل پور کے لوگوں کی اکثریت محض کاروباری ہے وہ ہوٹلوں میں بیٹھنے اور گپ شپ لڑانے کے عادی نہیں ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں علمی ادبی اور ثقافتی تقاریب نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ ایسی تقاریب کے پروگرام تو عموماً قہوہ خانوں اور چائے خانوں میں بنتے ہیں یہاں تو حالت یہ ہے کہ ادب و ثقافت کے رسیا لوگ کبھی کبھار ہی جمع ہوتے ہیں اور مہینوں ان کی آپس میں ملاقات نہیں ہوتی، چنانچہ ان لوگوں کے ربط و تعاون کا یہی فقدان شہر میں علمی ادبی اور تہذیبی تقاریب کے فقدان کا باعث بنا ہوا ہے۔

آہ! اقبال

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا — اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا
کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم — اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا
تھا اس کے تخیّل کا فسوں جس نے سکھایا — سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو اُبھرنا
ہر روز دیا اس نے مسلماں کو یہی درس — ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا

ملّت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

اقبال

سٹی مسلم لیگ سیالکوٹ کے جلسہ میں بر سبیلِ ارتجال

اقبال جس کا نام ہے وردِ زبانِ خلق — نازاں ہے اس کی ذات پہ خاکِ سیالکوٹ
اس کا کلام زندۂ جاوید ہو گیا — ہر زمزمہ نے اس کے لگائی جگر پہ چوٹ

اسلامیوں کی مِلک میں ہے دیارِ ہند
مانا کہ اس دیار میں کم ہیں ہمارے ووٹ

شِکوہ

عرض کر حضرتِ اقبال سے جا کر یہ صبا — اے کہ دنیا میں سخن میں تری تمثال نہیں
ماجرا کیا ہے کہ کچھ روز سے خاموش ہے تو — گرمِ پرواز ترا فکرِ سبک بال نہیں
بزم کہتی ہے کہ تو جب سے نہیں زمزمہ سنج — کسی آہنگ میں وہ سُر نہیں وہ تال نہیں
باندھنے کے لئے مضموں نہیں ملتے تجھ کو — یا روانی پہ تری طبع ہی فی الحال نہیں
کونسا دن ہے کہ سر پہ کوئی بجلی نہ گری — کونسی شب ہے کہ آیا کوئی بھونچال نہیں
کونسا گوشہ ہے جس میں نہیں ماتم برپا — کونسا خطّہ ہے جو مضطرب الحال نہیں
شاہزادے[1] سے عقیدت نہیں کس بستی کو — کشورِ ہند کے کس شہر میں ہڑتال نہیں
یہ مباحث ترے نزدیک ہیں فرسودہ اگر — تو خلافت کے مضامین تو پامال نہیں
ان معارف ہی سے کر آ کے جہادِ اکبر — شرع کو تجھ سے تقاضائے زر و مال نہیں
کب جنوں مصلحت اندیش ہوا کرتا ہے — آج کیوں یاد تجھے اپنے ہی اقوال نہیں

تنت کے وقت میں اپنوں سے نہ منہ پھیر کہ تو
دولت اسلام کی ہے کفر کا اقبال نہیں

[1] پرنس آف ویلز جو بعد میں ایڈورڈ ہشتم کے لقب سے تختِ برطانیہ پر بیٹھے۔

اقبال

• ایس اے وجدی

نغمۂ سازِ کُن فکاں اقبال
رُوحِ بیداریٔ جہاں اقبال
ماہِ چرخِ تخیّلِ مشرق
مظہرِ عقلِ جاوداں اقبال

آشکارا خودی کا تجھ سے راز
تیرے شعروں میں فلسفۂ حجاز
تیری فکرِ رسا کے زخمے سے
نغمہ بار آرزو کا رنگیں ساز

کاشفِ مقصدِ حیات ہے تُو
محرمِ رازِ کائنات ہے تُو
شاہراہِ ثبات تجھ پہ وا
دہر میں فاتحِ ممات ہے تُو

تُو نے توڑا طلسمِ آفاقی
دی ضعیفوں کو تُو نے برنائی
تُو نے بانٹا وہ بادۂ ہمّت
جس سے ملّت نے زندگی پائی

عشقِ خیر البشر کا سوز و ساز
وجدی اقبال کی بقا کا راز

اقبالؒ اور تفسیرِ عشق

فرحت شاہجہانپوری

علامہ اقبالؒ کو حیاتِ انسانی کی گھما گھمیوں میں عشق و محبت کی رعنائیاں مرغوب تھیں کہ رہگزارِ ہستی میں عشق ہی وہ راہنما ہے جس نے زندگی کے بڑے بڑے مرحلے طے کئے ہیں، اسرار و رموز کی تفاسیر لکھی ہیں تعیّنات کے پردے اٹھائے ہیں، زمان و مکان کی سرحدیں عبور کی ہیں اور اسی لئے وہ عشق کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں اور عقل کو ایک ثانوی حیثیت اور مقتدیانہ رنگ عطا فرماتے ہیں :

من بندۂ آزادم، عشق است مقامِ من
عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من

اب دیکھنا یہ مقصود ہے کہ اقبالؒ کا نظریۂ عشق کیا ہے کہ وہ عشق کو مقامِ امام عطا کر کے عقل کو اُس کی اقتدار پر مجبور کرتے ہیں، عشق کے معنی ہیں کسی چیز کو جزوِ ذات بنا لینا اور مطلوب کی رضا جوئی، خوشنودی، اور حصول کے لیے جہاد کرتے رہنا۔ عشق خودی کی نشو و نما کرتا ہے اور اس میں پختگی و توانائی پیدا کرتا ہے۔ عشق عرفانِ نفس کا محافظ اور انسانیت کی ارفع و اعلیٰ منزل کا راہنما ہے۔ عشق قول و فعل میں ہم آہنگی، راستبازی اور خلوصِ ایثار کا خالق ہے اور قلب و نظر کی طہارت کا ضامن ہے۔

عمرہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

یعنی زندگی کعبہ اور بتخانہ میں سینکڑوں سال گریہ و زاری میں مصروف رہتی ہے پھر کہیں وہ صبح طلوع ہوتی ہے جب بزمِ عشق سے ایک دانائے راز باہر تشریف لاتا ہے :

عشق و محبت کے صحیح خد و خال دیکھنے کے لیے آنحضرت صلعم کی حیاتِ طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ خدا فرماتا ہے "جو شخص رضائے الٰہی کی آرزو اور روزِ قیامت (نجات) کی توقع رکھتا ہو اور کثرت سے ذکرِ حق بھی کرتا ہو اس کے لیے رسول اللہؐ کی زندگی ایک موزوں ترین اور بہترین عملی نمونہ ہے۔

حضور رسولِ مقبولؐ نے اپنے اُسوۂ حسنہ سے مسلمانوں کو عشق و محبّت کا حقیقی مفہوم سمجھایا ہے۔ محبّت کے طفیل ذکر و فکرِ الٰہی میں شدّت آتی ہے۔ خضوع و خشوع کی ملتی ہے اور عشقِ الٰہی کی بدولت نمازِ مومنوں کی روحانی معراج بن جاتی ہے۔ اقبالؒ اسی مفہومِ محبّت کی پذیرائی کے لئے اتباعِ اسوۂ رسولؐ کی بار بار تلقین فرماتے دکھائی دیتے ہیں :

ہر کہ عشقِ مصطفٰےؐ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

اور یہ بھی کہ :-

بہ مصطفٰےؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

یعنی اے مسلمان تو خود کو اسوۂ رسول کریمؐ کا پابند بنا کہ دینِ حق یہی ہے اگر تو آپؐ کا مسلک اختیار نہ کر سکا تو یہ جان لے کہ سب کچھ کفر ہے۔ عشق کی عظمت ملاحظہ فرمائیے کہ عشق ہی دُنیا کا نور ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :-

جہاں از عشق و عشق از سینۂ تست
سرورش از مئے دیرینۂ تست
جز ایں چیزے نمی دانم ز جبریلؑ
کہ اُو یک جوہر از آئینۂ تست

یعنی دُنیا عشق کے نور سے تخلیق کی گئی ہے۔ عشق کا ظہور آپؐ کے سینۂ مبارک سے ہوا ہے اور عشق کا سرور آپؐ کی پرانی مئے محبّت سے ہے۔ میں جبریلؑ کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ بھی آپؐ ہی کے آئینہ کا ایک جوہر ہے :

محبت از نگاہش پائیدار است — سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن — جہانِ عشق را پروردگار است

یعنی محبت رسولِ برحقؐ کی نگاہِ مبارک سے پائیدار ہے اور اُس کا راستہ عشق و مستی کا صحیح معیار ہے۔ آپؐ کا مقام تو عبدہٗ بیان کیا گیا ہے لیکن آپؐ کی ذاتِ پاک جہانِ عشق کی پروردگار ہے۔

علامہ اقبالؒ نے عشق و محبّت، کی برکت ہی سے نعتِ رسولؐ میں ایسا ایجاز و ابلاغ پیدا کیا کہ شاذ و نادر ہی کسی دوسرے شاعر کو نصیب ہوا ہو۔ ملاحظہ فرمایئے :

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا،
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

اور ان اشعار کی بلاغت بھی دید نی ہے :-

در دلِ مسلم مقامِ مصطفٰےؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفٰےؐ است
طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
از کلیدِ دیں، درِ دُنیا کشاد
ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خوان نشست

اس جگہ مولانا جامیؒ کا یہ نعتیہ شعر بھی گنجینۂ بے بہا ہے ؎

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگاں و خواجہ اوست

سچ تو یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کے سوزِ عشق ہی کی یہ کرامت ہے کہ انہوں نے ایسی معراجِ فکر حاصل کی اور اس فضا میں پہنچ کر شعر کہے ہیں کہ ہر شعر آبدار بن گیا ہے۔

یوں تو علامہ موصوف کا ہر شعر درِ شہوار ہے لیکن ان کے نعتیہ کلام میں ایسی گرمیٔ عشق ہے ایسی شدتِ جذبات اور ایسی لطافتِ احساس ہے کہ قاری ہو یا سامع، اپنی جگہ پر مسحور ہو جاتا ہے۔ رگوں میں خون جلتا ہوا لاوا بن جاتا ہے اور بربطِ شعور کا ہر تار جھنجھنا اُٹھتا ہے :

اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند
شش جہت روشن ز تابِ روئے تو
ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو
از تو بالا پایۂ ایں کائنات
فقر تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمعِ حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی

حضور سرورِ کائنات کی آرام گاہ کے لئے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر سرمایۂ رقت ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

علامہ موصوف جذبۂ محبت کے اتنے قدرداں تھے کہ اسے مقصودِ فطرت یا رمزِ مسلمانی قرار دیتے ہیں ؎

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

اور یہی رمزِ مسلمانی ہے کہ اسلام میں اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی مُسلّم ہے۔ دراصل اسلام ایک عالمگیر اخوت اور ایک ہمہ گیر انسانیت کا درس دیتا ہے۔ وہ آدمی کو آدمی کا مقام بلند دکھاتا ہے جس سے نہ صرف ہماری ذہنی، شعوری اور روحانی اقدار سربلند ہوتی ہیں بلکہ بنی نوعِ انسان کی معاشرتی، معاشی اور مدنی زندگی کا ہر پہلو اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اس کے نتائج اور استنباط میں ایک ایسا صحت مند اور فعالی معاشرہ تخلیق پاتا ہے۔ جہاں انسانی عظمت کے چراغ جلتے ہیں، مساوات و مواخات کا رنگ ابھرتا ہے۔ رنگ و نسل کے امتیازات، تعصبات اور اخلاقیات اپنا دم توڑ دیتے ہیں ؎

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت
آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

(باقی صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیے)

ذوق و شوق

محمد منورؔ

علامہ اقبالؔ گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد جب لوٹے تو موتمر عالم اسلامی کے منتظمین کی دعوت پر فلسطین میں رکے تاکہ اس موتمر کے ایک اجلاس میں حصہ لے سکیں۔ فلسطین میں علامہ مرحوم نے جہاں دیگر آثار قدیمہ کی سیر کی وہاں مسجد اقصیٰ کی زیارت سے بھی مشرف یاب ہوئے۔ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا کعبۂ اولین بھی اور حضور اکرم صلعم نے معراج کا سفر مسجد اقصیٰ ہی کے راستے سے طے کیا تھا۔ رسول خدا صلعم کے اس وطن عربستان کے ایک گوشے میں پہنچ کر علامہ کے دل میں جو ارمان مچلے ہم ان کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اتنا معلوم ہے کہ علامہ مرحوم تمام عمر حج کے شوق میں تڑپتے رہے اور روضۂ مطہرہ کے دیدار رحمت یار کے ذوق میں بیقرار رہے۔ اب جبکہ ارض حجاز سے اتنے قریب ہوئے تو شوق نے اور بھی شدت کے ساتھ انگڑائی لی اور جذبات اور بھی زیادہ مشتعل ہوئے لیکن جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انہوں نے فلسطین سے ارض حجاز جانا پسند نہ کیا ان کا عذر یہ تھا کہ مجھے اپنے وطن سے بطور خاص اس مقصد کے لئے سفر اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ بات زیبا نہیں کہ سفر انگلستان کے لئے کروں اور ضمناً ارض حجاز کی طرف بھی نکل جاؤں۔ یہ شیوۂ عشق نہیں ہے۔

تاہم دل پر قابو پالینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے چاہا کہ ارض مقدس میں پہنچ کر دل و نگاہ نے جو تاثرات قبول کئے ہیں انہیں قلمبند کر لیں اور اپنے اہل وطن کی خدمت میں ایک پاکیزہ تحفہ کے طور پر پیش کر دیں۔ نظم کے شروع میں یہ نوٹ موجود ہے۔ ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے ؎

دریغ آدم زاں ہمہ بوستاں
تہی دست رفتن سوئے دوستاں

گویا اس گلشن عشق و ایمان سے دوستوں کے پاس خالی ہاتھ پہنچنا علامہ اقبالؔ کو باعث شرم محسوس ہوا اس احساس کا نتیجہ یہ نظم ہے جس کا ہر شعر ارمان اور حرمان کی دلآویز تصویر ہے۔ نظم کی ترتیب بندوں کی شکل میں ہے۔ ہر بند کے اشعار غزل کے اسلوب میں جلوہ گر ہیں۔ بند کا آخری شعر اس سلسلے کی ایک کڑی کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اس شعر کے دونوں مصرعے باہم ہم قافیہ و ہم ردیف ہیں۔ اگلے بند کے پھر جو شعر بھی ہیں وہ ایک طرح سے دوسری غزل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی روی کو بند کا آخری شعر پھر توڑ دیتا ہے اور اگلے بند کی ابتدا ہوتی ہے۔

ہر بند کے اشعار روی پر تعمیر کئے گئے۔ قافیے اور ردیف نہیں ہیں۔ لطف یہ ہے کہ باوصف تمام بند اتنے پر نغمہ و آہنگ ہیں کہ جب تک اس امر کی طرف اشارہ نہ کیا جائے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ قافیہ و ردیف غائب ہے۔ قافیہ و ردیف کا غیاب ایسے شعرا کی نظموں میں جو شعور فن سے پوری طرح بہرہ مند نہ ہوں۔ ایک واضح کمی کا احساس دلاتا ہے۔ یہ کمی آہنگ اور نغمہ کی کمی ہوتی ہے۔ لیکن اس نظم میں علامہ اقبالؔ نے متین اور مترنم بحر کا انتخاب کیا ہے اور اس میں ایسے خوش آواز الفاظ سموئے ہیں کہ شروع سے آخر تک مستی کی سی کیفیت جاری و ساری معلوم ہوتی ہے۔

روی خالص عربی اسلوب بیان ہے۔ عرب شعرا کے یہاں قافیے ردیفوں کے مقید نہیں ہوتے۔ ان کی بڑی سے بڑی نظمیں اور چھوٹے سے چھوٹے قطعات فقط روی پر منحصر ہوتے ہیں۔ قافیے کے ساتھ ردیف کی قید اور پھر زدلف در ردیف یہ اہل ایران کی شوخیٔ طبع کا نتیجہ ہے جس کی تقلید اردو میں بھی بہ شد و مد کی گئی۔ مگر علامہ اقبالؔ کی دو چوٹی کی نظمیں یعنی مسجد قرطبہ اور ذوق و شوق روی کی حسین مثالیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر بند میں روی بدلتی ہے۔ "بال جبریل" میں بہت سی غزلیں بھی ایسی ہیں جو قافیہ و ردیف کے بجائے فقط روی پر قائم ہیں۔ ممکن ہے روی کے استعمال کا یہ شوق علامہ اقبال کے کلام پر عربی شاعری کے مطالعہ کی وجہ سے مرتب ہوا ہو۔

ذوق و شوق کی ابتدا عرب شعرا کے قصائد کی طرح ہے۔ عموماً عرب شعرا اپنے قصائد کی ابتدا منزل محبوب کی یاد سے کرتے تھے۔ یا یہ کہ کسی ایسے مقام کا ذکر کرتے تھے جہاں پہلے ان کی محبوبہ خیمہ زن رہی اور اب وہ جگہ ویران ہو چکی تھی۔ عرب کی زندگی کا تقاضا یہی تھا کہ کاروان آب گیاہ کی تلاش میں آج یہاں ہے اور کل وہاں۔ یہی تصویر علامہ اقبال کی اس نظم کے پہلے بند میں دکھائی دیتی ہے۔ اور یہ شعر تو خاص طور پر عرب شعرا ہی کا ذہنی ورثہ معلوم ہوتا ہے۔

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

اسی طرح یہ شعر ہے ؎

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں

ٹھیٹھ عرب انداز بیان کا ترجمان ہے کاظمہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ حضرت بوصیری نے اپنے مشہور قصیدۂ بردہ میں مدینہ منورہ کو کاظمہ ہی کے نام سے یاد کیا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت بوصیری نے مدینہ کے لئے یہ نام منزل محبوب کے بطور استعارۃً استعمال کیا۔ عہد جاہلیت اور عہد اسلام کے ابتدائی شعراء کے کلام میں ہمیں کئی مقام پر نواح بصرہ میں موجود کسی کاظمہ بستی کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں سے محبوباؤں کے محمل رواں ہوتے تھے۔ عاشقان رسولؐ کے لئے گویا مدینہ منورہ محبوبؐ کی بستی ہونے کے باعث کاظمہ قرار پایا۔ اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے ریت کو ریشم کے لچھوں کی طرح نرم کیوں قرار دیا تھا۔

اسی نہج پر یہ شعر بھی مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے ؎

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں!

کوہ اضم مدینہ منورہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے گویا فلسطین میں بیٹھے ہوئے علامہ اقبالؔ عالم خیال میں نواح مدینۂ رسول کی سیر کر رہے تھے۔

ہمیں اردو زبان کے اندر کوئی نعت شاید ہی ایسی ملی جس کا آغاز اس حسین انداز اور ان لطیف اشاروں اور استعاروں کے ساتھ کیا گیا ہو۔

نظم کا لب لباب یہ ہے کہ عشق کی ناکامی ہی حیات عشق کی درازی کی ضامن ہے جب قافلۂ عشق منزل پر پہنچ جائے تو کشمکش و اضطراب سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ عاشق جو کشمکش اور اضطراب کا لذت چشیدہ ہوا ہے یہ محرومی احساس دلانے لگتی ہے کہ گویا محبت میں کمی واقع ہو گئی۔ علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں ؎

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو ہجر میں لذت طلب!
عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب
گرمیٔ آرزو فراق شورش ہاؤ ہو فراق
موج کی جستجو فراق قطرہ کی آبرو فراق

یہ اشعار اس نظم کے آخری اشعار ہیں مگر پہلے بند کا آخری شعر بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کر رہا ہے ؎

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لئے عیش دوام ہے یہی

گویا پہلے اور آخری بند میں بات مکمل ہو جاتی ہے درمیانی بندوں میں علامہ نے اپنی ملت اور اس کے بعد حضور اکرم صلعم کے ساتھ اپنی عقیدت کی تشریح کی ہے۔ امت مسلمہ کی اس دور میں جو کیفیت تھی اور جس طرح بے عملی اور توہم پرستی نے انہیں ناکارہ بنا رکھا تھا علامہ اقبالؔ کے لئے یہ چیز تکلیف دہ تھی۔ فرماتے ہیں ؎

کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق!
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اس سے آگے بڑھ کر علامہ اقبالؔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تخلیق کائنات کا مقصود حضور اکرمؐ کی ہی ذات تھی اور کائنات کی تمام رنگینیاں اور دلآویزیاں حضورؐ ہی کے نام، حضورؐ ہی کے وجود حضورؐ ہی کے حسن اور حضور ہی کی خوشبو کے باعث قائم ہیں اگر یہ نسبت نہ ہوتی تو عناصر کا یہ حسین تماشا بھی نہ ہوتا

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اس سے آگے چل کر کہتے ہیں کہ اب مسلمانوں میں وہ جذبا اور وہ عشق جو ذات رسولؐ کے ساتھ تھا کم ہو گیا ہے اور میری آنکھیں ان لوگوں کی جستجو میں مصروف ہیں جو شمع رسالت کے پروانے تھے ؎

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ!
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!

اس سے آگے چل کر حضور اکرم صلعم سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یہ ہے عشق رسولؐ کی صحیح کیفیت کہ مسلمان کے ایمان کا محور حضور اکرم صلعم کی ذات ہے۔ اس لئے کہ خدا کا تصور جو کچھ بھی ہمیں حاصل ہوا وہ حضور اکرم صلعم کی معرفت حاصل ہوا۔ عالم انسانیت میں ہر اعتبار سے کوئی وجود اگر کمال کا مظہر ہے تو وہ آپ ہی کی ذات ہے ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تو عالم انسانیت کے راہبر، امین، ہادیٔ کامل اور رحمت مجسم کے ساتھ جتنی بھی شدید وابستگی ہوگی۔ اتنی ہی زیادہ اس تعلیم اور اس تلقین کی قدر و قیمت ہوگی جو آپ نے دی۔ اس اعتبار سے عشق الٰہی رسول خدا صلعم کے عشق کے بغیر مسلمان کے تصور میں نہیں آتا۔

یہ تو واضح ہے کہ علامہ اقبالؔ کی نظموں میں

غزلوں کا سا تغزّل پایا جاتا ہے۔ اور ان کی ترکیب و تشکیل بھی نظم کے عمومی اسلوب کے مطابق نہیں ہوتی۔ خواہ وہ نظم تصویرِ درد ہو خواہ "شمع و شاعر" ہو۔ خواہ مسجد قرطبہ اور خواہ "ذوق و شوق" اشعار کی روح باہم مربوط ہوتی ہے۔ ورنہ بظاہر عموماً اشعار غزل کے شعروں کی طرح اپنی ذات میں مکمل اور آزاد ہوتے ہیں "ذوق و شوق" نظم ہے مگر ہر شعر بالعموم غزل کے شعروں کی طرح ایک آزاد اکائی ہے اور بعض شعر تو غزل کے اتنے اچھے شعر ہیں کہ اگر انہیں فرداً فرداً پڑھا جائے یا پیش کیا جائے تو یہ احساس ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی نظم کا حصہ نہیں مثلاً ؎

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

؎ تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

بادِ صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو

ہیں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

بقیہ بیرونی طلبہ

ہے جہاں ڈراسے شوقیہ سٹیج کئے جاتے ہیں۔

کونسل کی طرف سے طلبا کو جو سہولتیں میسّر ہیں ان میں ایک اور کا اضافہ ہوا ہے۔ لندن کے قلب ویسٹ اینڈ میں ایک نیا مرکز تعمیر کیا گیا ہے۔ لندن کے عظیم شہر سے اس مرکز تک پہنچنا آسان ہے۔ یہ مرکز ہر روز کھلا ہے۔ اتوار کو بھی بند نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت ایک معاشرتی مرکز کی ہے۔ جہاں ایک انتظامیہ دفتر۔ ایک تعلیمی اور تفریحی کلب اور ایک مشاورتی بیورو ہے۔ یہ مرکز بہت خوب صورت جدید طرز کا، خوب روشن۔ گرم ہوادار اچھی طرح آراستہ و پیراستہ ہے۔ یہ بیسویں صدی کی ترقی کا ایک مظہر ہے اور جو طلبا یہاں آتے ہیں یہ مرکز ان کی بلند نظری اور خوش آئند ارادوں سے ہم آہنگ ہے۔

تازہ ترین بصیرت

برطانیہ کا نظام حیات کیا ہے۔ اس کے بارے میں طلبا کو تازہ ترین بصیرت حاصل کرنے کے لئے رخصتوں کے ایام میں سیر و سیاحت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ دورے عموماً ایک یا دو ہفتے کے ہوتے ہیں ان کے علاوہ کسی دن طلبا کو مختلف مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے۔ جنوری کے پروگرام کے تحت طلبا کو روزنامہ "ٹائمز" کے دفاتر میں لے جایا گیا تاکہ جنرل پوسٹ آفس میں جاکر ان طلبا نے دیکھا کہ لندن اور سمندر پار کے ملکوں کے لئے ڈاک کو کس طرح الگ الگ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے شاہی ٹکسال میں سکّے تیار ہوتے دیکھے۔ ٹیلی ویژن کے سٹوڈیو میں ایک کھیل کی ریہرسل دیکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ سٹی آف لندن پولیس کے صدر مقام کی بھی انہیں سیر کرائی گئی۔ ان کے علاوہ دارالعوام اور دارالامرا، رائل اوپیرا ہاؤس۔ سینٹ پال کا بڑا گرجا گھنٹیاں بنانے والی ایک فرم کی فونڈری جہاں سے ساری دنیا کو گھنٹیاں مہیا کی جاتی ہیں بھی دکھائی گئی! ایک مشہور بنک کے دروازے بھی طلبا کے لئے کھلے ہیں ——

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دلچسپ پروگرام طلبا میں کتنا مقبول ہوگا۔ برٹش کونسل کے اچھے ہوسٹلوں اور مراکز کے لئے لندن کی ہی اجارہ داری نہیں ہے۔ دیگر مراکز بھی بہت اعلیٰ معیار کے ہیں مثلاً ایڈنبرا کا مرکز بھی بہت شاندار اور نہایت اعلیٰ پیمانے پر آرائش شدہ اور سامان سے مزیّن ہے۔

بعدالت ملک اختر حسن پی سی ایس۔ ایڈیشنل سول جج درجہ اول گجرات
بمقدمہ جانشینی ۱۲ سنہ ۱۹۶۴ء

محمد حسین۔ خورشیدہ بی بی دختر قاری احمد حسین صاحب مرحوم قوم صدیقی ساکن گجرات (سائلان) بنام عوام الناس

بنام عوام الناس

سائلان مذکوران نے برائے تقرری جانشینی نسبت جائداد احمد حسین ولد عبدالصمد قوم صدیقی ساکن محلہ خواجگان گجرات شہر درخواست جانشینی دائر کی ہے۔ لہٰذا مورخہ ۱۲ مئی سنہ ۱۹۶۴ء کو ½۷ بجے صبح حاضر عدالت آ کر اگر کسی کو کوئی عذر ہو پیش کرے۔ ۱۱ ۴/۶۴ -

مہر عدالت و دستخط حاکم

اشتہار زیر دفعہ ۵۔ رول ۲۰۔ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت جناب ایڈمنسٹریٹو سول جج صاحب ضلع شیخوپورہ۔

دعویٰ یا اپیل دیوانی نمبر ۱۴۰ سال سنہ ۱۹۶۴ء

مہتاب دین وغیرہ بنام عنایت وغیرہ

دعویٰ دخلیابی اراضی

بنام محمد حسین ولد علم دین قوم ارائیں ساکن بگھیالہ والہ تحصیل فیروزوالہ ضلع شیخوپورہ

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی محمد حسین مدعا علیہ نمبر ۲ مذکورہ تعمیل سمن سے دیدہ و دانستہ گریز کرتا ہے اور روپوش ہے اس لئے اشتہار ہذا بنام محمد حسین ولد علم دین ارائیں مذکورہ جاری کیا جاتا ہے کہ اگر مدعا علیہ نمبر ۲ مذکورہ تاریخ ۸ ماہ مئی سنہ ۱۹۶۴ء کو بمقام شیخوپورہ حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا تو اس کی نسبت کارروائی یک طرفہ عمل میں آویگی۔ آج بتاریخ ۹ ۴/۶۴ کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

مہرِ عدالت و دستخط حاکم

بعدالت جناب میاں عبدالمجید صاحب ایڈمنسٹریٹو سول جج راولپنڈی۔

با اختیارات گارڈین جج۔

درخواست نمبر ۳۱ بابت سنہ ۱۹۶۴ء

صوبیدار محبت خاں موضع ترمڑی کلاں تحصیل راولپنڈی (سائل)

بنام عوام الناس (مسئول علیہ)

درخواست برائے: تقرری گارڈین ذات و جائداد محمد ادریس۔ رشید احمد نابالغان

بنام عوام الناس

ہرگاہ سائل نے درخواست مذکورہ بالا عدالت ہذا میں گذاری ہے لہٰذا ہر خاص و عام کو بذریعہ اشتہار ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی عذر نسبت درخواست سائل ہو تو اصالتاً یا وکالتاً یا بذریعہ مختار حاضر عدالت ہذا مورخہ ۱۳ ۵/۶۴ کو بوقت ½۷ بجے صبح ہو کر پیش کرے ورنہ کارروائی حسبِ ضابطہ عمل میں لائی جاوے گی۔ آج مورخہ ۷ ۴/۶۴ بہ ثبت ہمارے دستخط و مہر عدالت کے جاری ہوا۔

مہرِ عدالت و دستخط حاکم

بعدالت جناب میاں عبدالمجید صاحب ایڈمنسٹریٹو سول جج راولپنڈی۔

با اختیارات گارڈین جج۔

درخواست نمبر ۲۳ بابت سنہ ۱۹۶۴ء

محمد عباس خاں ذات راجپوت منہاس ساکن چک بابو تحصیل راولپنڈی (سائل)

بنام عوام الناس (مسئول علیہ)

درخواست برائے تقرری گارڈین جائیداد عبدالرشید، عبدالحفیظ نابالغان۔ بنام عوام الناس

ہرگاہ سائل نے درخواست مذکورہ بالا عدالت ہذا میں گزاری ہے لہٰذا ہر خاص و عام کو بذریعہ اشتہار ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی عذر نسبت درخواست سائل ہو تو اصالتاً یا وکالتاً یا بذریعہ مختار حاضر عدالت ہذا مورخہ ۲۹ ۴/۶۴ کو بوقت ½۷ بجے صبح ہو کر پیش کرے۔ ورنہ کارروائی حسبِ ضابطہ عمل میں لائی جاوے گی۔

آج مورخہ ۷ ۴/۶۴ بہ ثبت ہمارے دستخط و مہرِ عدالت کے جاری ہوا۔

مہر عدالت و دستخط حاکم

بعدالت خواجہ خالد پال بی۔ اے ایل ایل بی پی سی ایس۔ سول جج درجہ دوم لیّہ۔
نمبر ۵۳۲ سنہ ۱۹۶۳ء

دعویٰ تنسیخ نکاح

مسمات تاج بی بی دختر فخر دین قوم تاڑی سکنہ کنیس فشیب تحصیل لیّہ (مدعیہ)

بنام محمد اشرف ولد نبی بخش قوم گلبال سکنہ للہ بکھر والہ تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم (مدعا علیہ)

ہرگاہ مسمی محمد اشرف تعمیلِ سمن سے دیدہ و دانستہ گریز کرتا ہے اور روپوش ہے لہٰذا بذریعہ اشتہار ہذا مشتہر کیا جاتا ہے کہ مسمی محمد اشرف مدعا علیہ مذکور اگر بتقرر ۲۰ ۵/۶۴ کو حاضر عدالت ہذا نہ آوے گا تو اس کی نسبت کارروائی یک طرفہ عمل میں لائی جاویگی۔ آج بتاریخ ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۶۴ء بہ ثبت میرے دستخط و مہرِ عدالت کے جاری ہوا۔

مہرِ عدالت و دستخط حاکم

میر غلام احمد کشفی

کشمیر کا اقبال

(ریڈیائی تمثیلچہ)

- کشمیر۔ سرو و چنار کی سرزمین۔
- کشمیر۔ باغوں اور سبزہ زاروں کی بستی۔
- کشمیر۔ دریاؤں اور آبشاروں کی دھرتی۔
- کشمیر۔ جہاں کی مٹی زرخیز اور ہوا عطر بیز ہے۔
- کشمیر۔ جہاں کا پانی زندگی بخش اور ہوا روح افزا ہے۔
- کشمیر جس میں فطرت کے تمام مادی اور روحانی خزانے موجود ہیں۔
- کشمیر جس کو ایشیا کی انگوٹھی کا ہیرا کہا جاتا ہے۔
- کشمیر جس کے متعلق شاعر کہتا ہے :۔

آواز: اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

- کشمیر جس کے متعلق دنیا نے تسلیم کیا ہے۔

آواز: ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید
گر مرغ کباب است پر و بال بر آید

- کشمیر جس کے قصیدے ... اور ... کلیم نے گائے۔

آواز: شمیم خلد گدائے بہار کشمیر است
شگفتگی گل خار دیار کشمیر است

- اسی کشمیر نے بڑے بڑے زیرک اور نکتہ داں پیدا کئے۔
- اسی کشمیر نے عظیم المرتبت شاعر پیدا کئے۔
- اسی خاک سے بڑے بڑے بادشاہ اٹھے۔
- جنہوں نے کشمیر کو شہرت دوام عطا کی۔
- اسی کشمیر کی مٹی سے جری اور بہادر سپاہ ابھرے
- جنہوں نے دنیا کو زیر نگین کیا۔
- اسی مٹی نے بڑے بڑے قطب اور اولیا پیدا کئے۔
- جنہوں نے روحانی دنیا میں انقلاب بپا کیا۔
- اسی کشمیر نے وہ بلند پایہ ادیب پیدا کئے۔
- جو آسمان شہرت پر چاند اور سورج بن کر چمکے۔
- ان سب گوہر پاروں کے متعلق تسلیم کیا گیا۔

آواز: اصل شان از خاک دامن گیر ما است
مطلع ابن اختران کشمیر ما است

- ذہنی چمکدار ہیروں میں سے ایک ملا غنی طاہر بھی تھا۔
- ملا غنی طاہر کشمیر کا بلبل نغمہ خواں۔
- ملا غنی طاہر کشمیر کا شاعر خوش بیاں۔
- ملا طاہر غنی۔ بادشاہ اقلیم سخن۔
- ملا طاہر غنی کشمیر کا فقیر منش، بیباک فرزند۔
- ملا طاہر غنی۔ جو شاہی درباروں سے بے نیاز تھا۔
- ملا طاہر غنی جس کو کشمیر کے ذرّے ذرّے کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔
- ملا طاہر غنی۔ جو کشمیر کے نامور فرزندوں کو کشمیر میں دیکھنے کا متمنی تھا۔
- ملا طاہر غنی۔ جو ہمیشہ شکوہ کناں رہا۔
- کہ کشمیر کے ہیرے باہر جا کر قیمت پاتے ہیں۔
- کشمیر کے عود دانہ فر سے دنیا کے دماغ معطر ہوتے ہیں۔
- ملا طاہر غنی ہمیشہ یہ کہہ کر دہائی دیتا رہا۔

آواز: غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

راوی: حضرت ملا طاہر غنی کی دعا مستجاب ہوئی۔ اُن کی آہ و زاری بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوئی۔ کشمیر کے پہاڑ سیالکوٹ سے ایک کشمیری نژاد اٹھا جس کو اپنے کشمیری ہونے پر فخر تھا جس کو قدرت نے اقلیم سخن کا بادشاہ بنایا جس کو کشمیر کے چپہ چپہ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی۔ جو جنت کشمیر کا عاشق زار تھا جس کے دل میں کشمیریوں کا درد تھا۔ جو کشمیر اور کشمیریوں کو سر بلند اور سرفراز دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ شاعر شعلہ نوا علامہ اقبال علیہ الرحمۃ۔

- اقبال۔ بادشاہ اقلیم سخن۔
- اقبال۔ شاعر شعلہ بیاں۔
- اقبال۔ شاعر حیات۔
- اقبال۔ خالق تصور پاکستان۔
- اقبال جس نے اسلامیان ہند کو قوت فکر اور قوت عمل دی۔
- اقبال جس نے اپنے زندگی بخش کلام سے "ملت" کو نئی زندگی بخشی۔
- اقبال کشمیر کا مایۂ ناز فرزند تھا۔
- اقبال کو اپنے کشمیری ہونے پر فخر تھا۔

آواز: گلے زخیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

- اقبال نے اسلامی جذبہ سے معمور ہو کر نغمہ سرائی کی۔
- کشمیر کے حسن و خوبی سے دنیا کو آشکارا کرنے کے لئے۔
- کشمیریوں کو کشمیر کی عظمت رفتہ یاد دلانے کے لئے۔
- وہ بلند آواز سے دنیا کو پکارتا رہا۔

آواز: رخت بہ کاشمیر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببیں لالہ چمن چمن نگر

راوی: حضرت علامہ اقبال ایک طرف کشمیر کا حسن بے مثال دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے وہ دنیا کو جنت کشمیر دیکھنے کی دعوت دیتے تھے۔ کشمیر کے سبزہ زاروں اور آبشاروں کے قصیدے پڑھتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اُن کا دل رو رہا تھا۔ وہ کشمیریوں کی بے حسی پر ماتم کر رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ جنت کشمیر میں رہنے والے خودی اور خود شناسی سے ناآشنا ہیں۔ وہ اپنی عزت اور اپنا وقار فراموش کر چکے ہیں۔ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر منزل آزادی کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اسی لئے وہ کشمیریوں کو اپنی تیز تنقید کے نشتروں سے جھنجھوڑتے تھے۔ اُن کو خودی اور خود شناسی سے آگاہ کرنے کے لئے زہر بھرے نشتر لگاتے تھے۔

آواز[1]: کشمیری کہ با بندگی خو گرفتہ
بتے می تراشد ز سنگ مزارے

آواز[2]: چہ بے پروا گزشتنے از نوائے صبحگاہ من
کہ برد آں شور و مستی از سیہ چشمان کشمیر

آواز[3]: ازاں قطرہ می فشاں برکشیدی
کہ خاکسترش آفریند شرارے

راوی: اس نشتر زنی کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال اہل وطن کے زخموں پر مرہم کے پھاہے بھی رکھتے جاتے تھے۔ انہوں نے دنیا کو بتایا کہ کشمیریوں کی یہ بے حسی اور کمزوری فطری اور موروثی نہیں۔ کشمیری فطرتاً طباع اور ذہین ہیں۔ وہ مٹی کو کندن بنانا جانتے ہیں۔ وہ زیرک، طباع اور عقلمند ہیں۔ البتہ اُن پر ایک ظالم طاقت کو مسلط کیا گیا ہے۔ جو اُن کو ... کرنے ہر ممکن ... حربہ استعمال کر رہی ہے۔ انہوں نے خدائے دو جہاں کی بارگاہ میں دعا کی۔

آواز: توڑ اس دست جفا کیش کو یارب جس نے
روح آزادی کشمیر کو پامال کیا

راوی: لیکن اس دست جفا کیش کو توڑنے کے لئے عوام کے جذبہ انتقام کی ضرورت تھی۔ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے عوام سامراجی شیطنت کا مقابلہ ضروری تھا۔ یہ راز محض علامہ اقبال نے ہی کشمیریوں پر افشا کیا۔ انہوں نے کشمیری عوام کو خواب آور سامراجی افیون سے دست کش ہو کر مجاہدانہ زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے کشمیریوں پر واضح کر دیا کہ غلامی ایک طوق زرّین ہے جس کی نظر فریبی انسان کو مستقبل سے ناآشنا کر دیتی ہے۔ اس طوق زرّین کا انجام قوموں کی موت ہوتا ہے۔ اور اس وقت سے بچنے کے لئے مجاہدانہ جدوجہد درکار ہے۔

آواز: نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

راوی: حضرت علامہ اقبال ادھر کشمیریوں کو خواب غفلت سے بیدار کر رہے تھے۔ ان کو طاغوتی طاقتوں کے خلاف صف بستہ ہونے کے لئے اکسا رہے تھے۔ ادھر دنیا پر واضح کر رہے تھے کہ کشمیریوں پر جو مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ اُن کی ذمہ داری صرف ڈوگرہ درندوں پر ہی نہیں جو اپنا غاصبانہ اقتدار بچانے کے لئے کشمیریوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ بلکہ اس کی ذمہ داری اُن لوگوں پر بھی ہے جنہوں ... اپنے مکروہ ارادوں کو پروان چڑھانے کے لئے معاہدۂ امرتسر کو جنم دیا جو انسانیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ لہٰذا دنیا کو یہ داغ دھونے کے لئے کشمیریوں کی پوری پوری حمایت کرنی چاہیئے۔ انہوں نے دنیا کی آزادی کے ٹھیکیداروں کو جھنجھوڑا۔

آواز: باد صبا اگر بجنیوا گزر کنی
حرفے ز من بمجلس اقوام باز گوئی
دہقان و کشت و جوی و خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

راوی: حضرت علامہ اقبال کے یہی فلک رسا نالے تھے جنہوں نے کشمیریوں کو بیدار کیا اُن کے دلوں میں صد سالہ ڈوگرہ بربریت کے خلاف ایک آگ بھڑک اٹھی جس نے ہر کشمیری کے دل کو گرمایا۔ اُس کے خون میں جوشش پیدا کر دیا۔ ہر فکر و فن کے لوگ آزادیٔ وطن کے لئے میدان میں کود پڑے۔ اگر ایک نے زور خطابت سے سٹیج کو گرمایا تو دوسرے نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے عوام کے دلوں کو برمایا کسی نے دولت خرچ کر کے

جہادِ کشمیر کی حمایت کی - اور کسی نے اپنا گرم اور جوان خون دے کر آزادی کے پودے کو سینچا - اقبال کی شعلہ بیانی نے مہجور اور آزاد ایسے شعلہ بیاں شاعر پیدا کئے - جنہوں نے قدم قدم پر یہ کہہ کر کشمیری عوام کے دلوں کو گرمایا -

آواز ۱: بنہ بن چھاریاں غیر نے بیگانہ چھاواں باغ
من خوش چھ تھاواں تن چھ ناواں سنہ زمن نز
(مہجور)

آواز ۲: کس قدر ظلم ہے کہ کشمیر کے فرزند اس کی قدرتی نعمتوں سے محروم ہیں اور غیر ان کی محنت کا استحصال کر کے دادِ عیش دے رہے ہیں -

راوی: حضرت علامہ اقبال کی روح آج جنت میں خوشیاں منا رہی ہے کہ میں نے جس عظیم اسلامی مملکت کا خواب دیکھا تھا اُس کی تعبیر پاکستان کی شکل میں نمودار ہو گئی ہے - میں کشمیر کے جن فرزندوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے محوِ تگ و تاز تھا وہ آج بیدار ہیں - وہ منزلِ آزادی کی طرف بڑھ رہے ہیں - مادرِ کشمیر کے جیالے فرزندوں نے وطن کا ایک حصہ غیروں کی غلامی سے آزاد کیا ہے - اور دوسرا حصہ آزاد کرانے کے لئے محوِ جہاد ہیں - وہ آج کے دن علامہ اقبال کی روح کو یہ خوش خبری سنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کا فلسفۂ حیات ایک ایک کشمیری کے وردِ زبان ہے - اور وہ اسی کی روشنی میں، منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں - ان کا نعرہ ایک ہی ہے -

آواز: میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
ہوائے زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلط و با موجش درآویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

بقیہ حج

دیتی ہیں -

(۲) وہ زکوٰۃ بھی ہے - اس لئے کہ ہر حج کرنے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قربانی کا گوشت غریبوں کو کھلائے - اس کے علاوہ بغیر مالی قربانی کے حج کیا ہی نہیں جا سکتا، اور زکوٰۃ کی حقیقت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی خاطر اپنی دولت صرف کی جائے -

(۳) وہ روزہ بھی ہے - اس لئے کہ جنسی ملاپ روزے میں اگر صرف دن کو ممنوع ہے تو حج کے دوران راتوں میں بھی ممنوع رہتا ہے - رہا کھانے پینے کا معاملہ تو روزے کی طرح اگرچہ حج میں کھانا پینا منع نہیں ہے مگر اس کے بجائے اس میں زیب و زینت وغیرہ کی جو دوسری بہت سی پابندیاں عائد ہوتی ہیں وہ بڑی حد تک اس ممانعت کی قائم مقام بن جاتی ہیں - اسی طرح نفس کی خواہشوں کو کنٹرول کرنے کی مشق جس طرح روزے میں ہوتی ہے اسی طرح حج میں بھی ہوتی ہے -

اسلامی عبادات کے اس مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کے اس نظام کا اصل مقصد اسلام کا انسانِ مطلوب تیار کرنا ہے - یہ انسان کو اس ذمہ داری کے لئے تیار کرتی ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ نے ہمارے سپرد کی ہے - یہ انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی صفاتِ محمودہ انسان میں پیدا کرتی ہیں، سیرت و کردار کی تعمیر کرتی ہیں اور روحانی ترقی اور اخلاقی بالیدگی کی راہ ہموار کرتی ہیں - عبادات کا اصل مقصد یہ ہے کہ نفس کا تزکیہ ہو، تقویٰ کی روح پیدا ہو، خدا سے تعلق استوار ہو، اور خدا کی اطاعت اس کی بندگی اور اس کی محبت ہر چیز پر غالب آ جائے - نفس کی اصلاح کے بغیر کوئی اصلاح ممکن نہیں اور نفس کی اصلاح کا اصل طریقہ وہ عبادات ہیں - جو خدا اور اس کے رسول نے مقرر کی ہیں *

بعدالت جناب چوہدری عبدالسعید صاحب پی سی - ایس سول جج درجہ سوم گوجر خان
نمبر مقدمہ 413/1963

بشیر احمد خاں ولد نظام دین قوم ارائیں کھوکھر سکنہ محتال میانہ تحصیل گوجر خان (مدعی)
بنام پہلوان وغیرہ
دعوی دخلیابی اراضی
بنام پہلوان - سردار، کرامت حسین پسران مرزا - مسماۃ لالاں بی ہمشیرہ مانا کالی متوفیہ قوم کھوکھر سکنائے دہنگدیو المیراں تحصیل گوجر خان (مدعا علیہم)

ہرگاہ مدعا علیہم کے خلاف مدعی نے دعویٰ دخلیابی اراضی عدالت ہذا میں دائر کیا ہے اور مدعا علیہم کی تعمیل عام ذرائع سے نہیں ہو رہی ہے لہٰذا بذریعہ اشتہار ہذا مدعا علیہم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ بتاریخ 6/5/64 کو عدالت ہذا میں بوقت ½ 7 بجے صبح حاضر عدالت آ کر پیروی و جواب دہی مقدمہ کریں - ورنہ ان کے خلاف کارروائی یک طرفہ عمل میں لائی جاوے گی -

آج مورخہ 16/4/64 ہمارے دستخط اور حکم سے جاری ہوا -
مہر عدالت و دستخط حاکم

بقیہ اقبال

ذاتی اغراض و مفاد کی کشمکش مٹ جاتی ہے ..

روبکار اجلاسی جناب خان نذیر احمد خاں صاحب سواتی سول جج صاحب، کوہاٹ

محمد صدیق پسران محمد امیر وغیرہ سکنائے ستمبر تحصیل کرک ضلع کوہاٹ
بنام پیاؤ خاں ولد عالم شیر وغیرہ
بنام جٹہ نند - شیوہ رام - بسر بہان پسران شامداس - ہردیال ولد ملاپ چند قوم اروڑہ سکنائے حال تارکان وطن مقیم ہندوستان بذریعہ ری ہیبلیٹیشن کمشنر کوہاٹ

دعویٰ فک الرہن اراضی ½ حصہ مغلہ اراضی تعدادی 98 کنال خسرہ 2338 کھاتہ جمعبندی 1552 واقع رقبہ ستمبر تحصیل کرک ضلع کوہاٹ مندرجہ جمعبندی سال 1962-63
پیشی 8/5/64

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مندرجہ بالا مدعا علیہم کی تعمیل معمولی طریقہ سے ہونی مشکل ہے - اس لئے بذریعہ اشتہار ہذا مشتہر کیا جاتا ہے کہ وہ بتاریخ 8/5/64 کو عدالت ہذا میں اصالتاً - وکالتاً یا بذریعہ مختار حاضر ہو کر پیروی مقدمہ کریں - ورنہ بصورت دیگر یک طرفہ کارروائی عمل میں لائی جاوے گی -

آج بتاریخ 11/4/64 کو بہ ثبت دستخط مہر اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا -
مہر عدالت و دستخط حاکم

افتراق و انتشار کے بتکدے مسمار ہو جاتے ہیں - اور ہر فرد اپنی ذات اور اپنے ذاتی مفاد سے قطع نظر ملتِ اسلامیہ کی فوز و فلاح کے لئے کوشاں رہتا ہے - اس انسانیت نواز معاشرہ کی تشکیل میں جن اجزائے ترکیبی کا زیادہ ہاتھ ہے ان پر آپ یقین جانئے عشق و محبت کی کارفرمائی بدرجہ اتم ہے ؎

چشم در کشتِ محبت کاشتم
از تماشا حاصلے برداشتم

محبت کے دفترِ معنی کی تصریح کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ محبت کی اساس پر ایمان محکم کی ارفع و اعلیٰ عمارت قائم ہے - محبت کی دولت پاس ہو تو صفائے قلب میسر ہوتی ہے انسان صبر و تحمل کا دامن چھوڑنے نہیں پاتا - مایوسی و ناامیدی کے خارزار میں وہ نہیں الجھتا توہم کی آلائشیں اس کے پیراہنِ دل کو آلودہ نہیں کر سکتیں اور وہ خوشنودیٔ الٰہی میں بےخود و سرشار باطل کی قوتوں سے نبرد آزمائی کرتا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ؎

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

اشتہار زیر دفعہ ۵ - رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت جناب محمد امیر ملک صاحب پی سی ایس - ایس سول جج لاہور
دعویٰ استقرار حق 245/1 سنہ 1963ء

محمد یامین ولد نتھے خاں (۲) محمد یوسف (۳) محمد یٰسین (۴) محمد شفیق (۵) مسمات نفیسہ (۶) امینہ پسران و دختران سعید اللہ ساکنان احاطہ شاہ دین بلڈنگ دی مال لاہور (مدعیان) بنام عبدالرشید قریشی ولد فقیر اللہ ساکن سوڈھی وال پکی ٹھٹھی لاہور (مدعا علیہ نمبر ۱)

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمیٰ عبدالرشید نمبر ۱ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ و دانستہ گریز کرتا ہے اور روپوش ہے - اس لئے اشتہار ہذا بنام عبدالرشید مدعا علیہ نمبر ۱ مذکور جاری کیا جاتا ہے کہ اگر مدعا علیہ نمبر ۱ مذکور تاریخ ۳۰ ماہ اپریل سنہ 1964ء کو مقام لاہور حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا تو اس کی نسبت کارروائی یک طرفہ عمل میں آوے گی -

آج بتاریخ ۲ ماہ اپریل سنہ 1964ء کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا
مہر عدالت و دستخط حاکم

جلیانوالہ باغ

کی خونی داستان

قمر یورش

جلیانوالہ باغ کے خونی حادثہ میں امرتسر کے عوام کو جن مشکلات میں سے گذرنا پڑا اور جن مصیبتوں کو برداشت کرنا پڑا ہے اور جو ذلت و رسوائی اٹھانی پڑی ہے اُس کی یاد سے تمام جسم لرز اٹھتا ہے۔ اُن ایام میں ایک حشر بپا تھا۔ نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ کسی کی آبرو کا خیال تھا جو کوئی نیک پاک تھا سب کا وجود خطرے میں تھا۔ نہتے مظلوم بے کسوں کے خون سے رنگے ہوئے ہاتھوں سے سرکاری افسر پے در پے شدید ضربات لگاتے تھے اور بے تحاشا ایذا آزار تھے۔ لاکھوں کے مالک خاک میں مل گئے۔ بڑی آن بان والوں کی شان کوڑیوں کے مول بکی۔ وہ باعصمت دوشیزائیں مہر و ماہ جن کے معصوم چہروں کو چھونے کی قدرت نہیں رکھتے تھے سرِ بازار تشہیر ہوئی۔ شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب فرد ہو گا جو اُن دنوں میں آرام سے رہا ہو۔ چاروں طرف ہتھکڑیوں کی جھنکار تھی، تمام بازار اجڑ گئے تھے یک ہُو کا عالم تھا، مکان والے بے مکاں ہو گئے تھے، در و دیوار پر حسرت برستی تھی، غم الم سے عوام کے چہرے پژمردہ اور رنگ اڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ بہت سے تو ایسے لاچار ہوئے کہ بسترِ مرگ پر جا لیٹے اور پھر کوئی درماں کارگر نہ ہوئی۔

بس یوں سمجھئے امرتسر ایک بے جان لاش کی طرح تھا اور اس لہولہان لاش پر انگریزی استبداد خونی قہقہے لگا رہا تھا۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو ۱۹۱۶ء میں انگلستان سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے امرتسر تشریف لائے تو اپنے سینے میں غیر ملکی سامراج کے خلاف نفرت کی چنگاری بھی لائے، انہوں نے وکالت کے معزز پیشے کو ترک کر کے ہموطنوں کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔

۱۹۱۹ء میں ہندوؤں کے رام نومی کے تہوار کے موقع پر ڈاکٹر کچلو نے عوام سے اپیل کی اس تہوار کو ہندو مسلم مشترکہ طور پر منائیں۔ یہ اپیل صرف اس لئے کی گئی تھی کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے اور دونوں قومیں متحد ہو کر انگریز سامراج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اس تہوار میں ہندو مسلم سکھوں نے مل کر ایک گلاس میں پانی پیا امن اتحاد کے جذبات سے سرشار ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور کندھے سے کندھا جوڑ کر گوری شہنشاہیت کے خلاف نبرد آزما ہو جائے۔ انگریز سامراج ہندو، مسلم، سکھ اتحاد دیکھ کر گھبرا گیا اس کے تمام ہوائی قلعے مسمار ہو گئے۔ اس اتحاد سے انگریزوں کے ایجنٹوں کے دل ہل گئے، دماغ پھٹ گئے۔ جو حاسد تھے دم بخود ہو گئے۔ جاہل مخالفت کرنے لگے۔

اُس وقت سرکار برطانیہ نے سوچا ان کے لیڈروں کو پکڑ کر جیل کی کال کوٹھریوں میں محبوس کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ آزادی کے متوالوں ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو گرفتار کر کے نامعلوم جگہ روانہ کر دیا۔ ان دونوں جاں باز لیڈروں کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر امرتسر میں پھیل گئی۔ تمام امرتسر میں احتجاجی ہڑتال ہو گئی، کاروبار بند ہو گئے۔ جگہ جگہ احتجاجی جلسے جلوسوں کا اہتمام ہوا۔

سب سے بڑا جلسہ ڈاکٹر بشیر کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر بشیر، بدرالاسلام، عزیز ہندی، پنڈت دینا ناتھ، مہاشہ رتو، صوفی ترک نے تقریریں کیں۔ اُس جلسہ میں فیصلہ کیا گیا ڈاکٹر کچلو ڈاکٹر ستیہ پال کی رہائی کے سلسلہ میں ایک وفد ڈپٹی کمشنر امرتسر کے پاس جائے اور بالمشافہ گفتگو کرے۔ چنانچہ وفد کے سینکڑوں اراکین جلسہ گاہ سے اٹھ کر اور ہزاروں لوگوں کو ساتھ لے کر ڈپٹی کمشنر کی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے اس قدر پُرجوش مظاہرے کو دیکھ کر انگریزی اقتدار لرز اٹھا۔ لیکن ابھی یہ جلوس امرتسر کے مشہور پوڑیاں والے پل کے قریب پہنچا تو گھڑ سوار پولیس نے دور سے مزاحمت کی۔ اس کے باوجود پُرامن جلوس آگے بڑھتا رہا تو انگریز سارجنٹوں نے گولی چلا دی جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے ایک مسلمان نوجوان بستا نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس گولی چلنے کے بعد عوام کے جذبات آتش گیر مادے کی طرح پھٹ گئے۔ اس جلوس کی رہنمائی میں چچا محمدی بھی تھے۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ سرکاری عمارتوں کو نذرِ آتش کر دیا جائے اور جو انگریز سامنے آئے اُسے قتل کر دیا جائے۔ گولی ابھی چل رہی تھی کہ مظاہرین نے سڑک سے پتھر اٹھا لئے۔ انگریز افسروں پر جوابی حملہ کر دیا۔ وہ انگریز افسر کبھی چھپ جاتے، کبھی آتشیں گولیاں برسانا شروع کر دیتے۔ اس طرح یہ بپھرا ہوا جلوس پل سے قریب ہوتا ہوا تار گھر پہنچا جہاں دو گورے سپاہی کھڑے تار گھر کی حفاظت کر رہے تھے۔ جلوس کے ایک پُرجوش کارکن شرفو نے آگے بڑھ کر اُن دونوں انگریز حامیوں کی گردنیں پکڑ کر دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرائے بعد میں پیچھے سے ایک تیسرے گورے نے آ کر شرفو پر گولی چلا دی۔ دو انگریزوں کو مار کر شرفو بھی شہید ہو گیا۔ اس کے بعد جلوس نے امرتسر کے مشہور قلعہ گوبند گڑھ پر ہلہ بول دیا۔ وہاں اس جلوس پر گولیوں کی بارش ہوئی اور کئی آدمی زخمی ہوئے۔ وہاں سے عوام نے ہال بازار کا رُخ کیا۔ بنکوں اور سرکاری عمارتوں کو لوٹنا توڑنا پھوڑنا اور نذرِ آتش کرنا شروع کر دیا۔ انگریزوں کی کوٹھیوں کو تباہ برباد کر دیا گیا۔ سارے شہر امرتسر میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ تین دن تک امرتسر میں عوام کا راج رہا اور انگریز کی پولیس اور فوج کا کہیں نام نشان نہ تھا۔ اس ضمن میں جو انگریز کی جھوٹی ہڈیاں چوسنے والے ضمیر فروش تھے عوام نے انہیں پکڑ کر چوک دوبگڑھ حکیم رام لال کی بیٹھک میں بند کر دیا اور عوامی رضا کار وہاں پر پہرے دیا کرتے تھے۔ اس ہنگامہ کا خاص واقعہ چارٹرڈ بنک کی لوٹ مار تھی، چارٹرڈ بنک کے تمام ممبران انچارج سمیت جلا کر خاک کر دیا گیا۔ اس غارت گری کے بعد عوام نے پھر ایک جلوس نکالا۔ جس میں ڈاکٹر بشیر۔ صوفی ترک۔ عزیز ہندی۔ پنڈت روپ لال پوری۔ چچا محمدی شامل تھے۔ اس جلوس میں ڈاکٹر بشیر کو سیاہ ماتمی لباس پہنا کر سیاہ گھوڑے پر سوار کیا گیا۔ اس جلوس نے تمام شہر امرتسر کا طواف کیا۔ عوام پُرجوش نعرے لگا رہے تھے۔ ڈاکٹر کچلو ڈاکٹر ستیہ پال کو رہا کرو۔

جلیانوالہ باغ

۱۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ میں ایک عظیم اجتماع کیا گیا جس میں ہندو، سکھ، مسلمان مشترکہ طور پر شریک ہوئے۔ اس روز بیساکھی کا تہوار تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں کسان بھی اس جلسہ گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر باغ میں موجود تھا۔ اس وقت باغ میں ایک لاکھ کی حاضری تھی۔ اس جلسے کی اطلاع پا کر جنرل اوڈوئیر جو ان دنوں انگلینڈ سے تازہ وارد ہوا تھا مسلح بٹالین ساتھ لے کر جلیانوالہ باغ میں پہنچ گیا۔ جلسہ گاہ میں ڈاکٹر کچلو کی بجائے اُن کی تصویر صدارت کے فرائض سر انجام دے رہی تھی اور ہنسراج عوام سے خطاب کر رہے تھے جنرل ڈائر نے باغ میں داخل ہو کر دیکھا تو اسے چاروں طرف انسانوں کے سر ہی سر نظر آئے۔ جنرل ڈائر نے بلا کسی وارننگ کے پُرامن نہتے مجمع پر گولی چلا دی یہ باغ جلیانوالہ ہندو، سکھ، مسلمان محبانِ وطن کے خون سے لالہ زار بن گیا۔

انگریز سامراج نے اپنے انتقام کی آگ نہتے انسانوں کے لہو سے بجھائی۔ جنرل ڈائر کی مشین گن سے جلیانوالہ باغ کی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ایک ہزار ہندو، سکھوں اور مسلمانوں نے جام شہادت پیا۔ برطانوی ہنٹر رپورٹ کے مطابق سات سو۔ بہرحال باغ میں سینکڑوں انسانوں کی بے گور و کفن پڑی ہوئی لاشیں انگریز کی بربریت کا جگر گداز منظر پیش کر رہی تھی۔ باغ کے در و دیوار گولیوں کی اندھا دھند بوچھاڑ سے چھلنی ہو گئے اور گھبرائے ہوئے معصوم لوگ گولیاں کھا کر قریب کے کنوئیں میں گر گئے باغ کا وسیع گہرا کنواں لاشوں سے بھر گیا اور باغ کا ہر بوٹا ہر پتہ شہیدوں کے خون سے لبریز ہو گیا۔

مارشل لاء

جلیانوالہ باغ میں گولی چلنے کے بعد مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ امرتسر کا بچہ بچہ سیاسی شعور سے لیس ہو کر میدان میں اتر آیا اور فولادی گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر انگریزی جبر و تشدد کا مقابلہ کیا۔

ان دنوں امرتسر کے ہر نوجوان کی آنکھ سے بغاوت کے شعلے نکلتے دکھائی دیتے تھے۔ امرتسر کے نوجوانوں کو سیاسی شعور بخشنے والے ڈاکٹر کچلو ہی تھے جن کی ذات سے انگریز سامراج کانپتا تھا۔

وحشیانہ سزائیں

مارشل لاء کی بدولت آزادی پسندوں کے قتل و سزا رسانی کے انتظامات شروع ہو گئے۔ امرتسر کے ہر چوک میں ٹکٹکی لگائی گئیں اور اس راستے میں آنے جانے والوں کو رسوں سے باندھ کر پیٹ کے بل زمین پر گھسیٹا جاتا اور انہیں سرِ بازار برہنہ کر کے ٹکٹکی پر باندھ کر کوڑے برسائے جاتے اور انہیں حکم دیا جاتا کہ برطانوی پرچم اور انگریزوں کو دکانوں اور مکانوں سے باہر نکل کر جھک کر سلام کرو۔

گرفتاریاں عام ہو گئیں گویا سارا امرتسر جیل خانہ بنا دیا گیا۔ بنکوں سرکاری عمارتوں، دفتروں کو تباہ کرنے والوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا گیا۔ انگریز سامراج کے وفادار ضمیر فروشوں پر انعام و اکرام کی بارشیں ہوئیں اور انہیں دفعہ بیس کے اختیارات دیئے گئے۔

(بقیہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

تختۂ دار پر لٹکائے گئے

امرتسر میں درج ذیل افراد کو پھانسی کی سزا دی گئی :-

غازی محمد اسحاق - محمد شفیع - محمد دین - غلام حسین ہرنا موں پیٹھی والا - عزیز چھاڑا - چچا محمدی کی سزائے موت کالے پانی میں بدل دی گئی - اور چچا محمدی نے بیس سال کالے پانی اور لاہور سنٹرل جیل میں قید کاٹی -

جلیانوالہ باغ کا خونی حادثہ انگریزی سامراج کے دامن پر بدنما داغ ہے جسے انگریز لاکھ مٹانا چاہے مگر وہ اس لئے نہیں مٹے گا کیونکہ وہ پُرامن نہتے شہریوں کا لہو ہے -

برطانیہ میں بیرونی طلبہ

سمندر پار کے طلبا جو برطانیہ میں زیر تربیت یا زیر تعلیم ہیں ان کی تعداد ہر سال ہر سال بڑھتی جا رہی ہے - یہ طلبا یا تو اپنے خرچ پر یہاں آتے ہیں یا کسی امدادی سکیم مثلاً کولمبو پلان وغیرہ کے تحت یا پھر اپنے ملک کی حکومت یا برطانوی حکومت کی طرف سے انہیں یہاں بھیجا جاتا ہے ——
بعض ایسے بھی ہیں جو برٹش کونسل کی دعوت پر تھوڑے یا زیادہ عرصے کے لئے یہاں آتے ہیں -
لیکن طلبا خواہ کسی بھی قسم کے ہوں کونسل کی طرف سے ان کی امداد کی جاتی ہے - برٹش کونسل کی سرگرمیاں برطانیہ کے اندر اور دنیا بھر میں مختلف نوعیت کی ہیں -

اس کے کام اتنے مختلف طرح کے ہیں کہ شاید چند لوگ ہی اس تصویر کو مکمل طور سے دیکھ سکتے ہوں جسے برٹش کونسل کہتے ہیں —
کیونکہ زیادہ تر طلبا ان سرگرمیوں کا کوئی ایک پہلو دیکھ سکتے ہیں —— اس کونسل کی جو شاخیں دوسرے ملکوں میں ہیں وہاں انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے اور وہاں سے کتابیں اور رسائل عاریتاً حاصل کئے جاتے ہیں ——

دنیا بھر کا سفر

کونسل کی طرف سے دنیا بھر میں اعلیٰ پائے کے آرکسٹرا، تھیٹریکل کمپنیاں - بیلے رقاص اور نمائش کے لئے کتابیں بھیجی جاتی ہیں اور ان کے اخراجات کونسل برداشت کرتی ہے ——
برطانوی مصوری اور مجسمہ سازی کی نمائشیں دور دراز ملکوں میں برطانوی کلچر کے بارے میں تفہیم پیدا کرتی رہتی ہیں -
برٹش کونسل ۱۹۳۴ء میں قائم کی گئی تھی تاکہ اس کے ذریعہ برطانوی عوام اور انگریزی زبان کے بارے میں دوسرے ملکوں کی معلومات بہم پہنچائی جا سکیں - اور برطانیہ اور دوسرے ملکوں میں گہرے رابطے استوار ہو سکیں - اس کونسل کے لئے ہر سال پارلیمنٹ کے بجٹ میں گنجائش رکھی جاتی ہے اور ۶۴ — ۱۹۶۳ء میں کونسل کو حکومت کی طرف سے ۸۶۳۴۰۰۰ پونڈ امداد دی گئی ہے -

"گہرے رابطے" سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو لوگ باہر سے برطانیہ میں وارد ہوں انہیں یہ بتایا جائے کہ برطانوی عوام کس قدر اچھے ہیں اور پھر ان سے یہ توقع رکھی جائے کہ انہیں جو کچھ بتایا جائے وہ تسلیم بھی کر لیں ——
روز بروز ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو فنی تعلیم اور تحقیقات کے لئے یہاں آتے ہیں - یا کسی خاص کورس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں - چنانچہ ۶۳ — ۱۹۶۲ء میں کونسل کی طرف سے ۸۳۱۵ طلبہ کی امداد کی گئی اور ان میں ۲۹ فی صد ایسے تھے جن کو کونسل کی طرف سے مالی امداد بھی دی گئی —— دس برس قبل اس عرصہ میں صرف ۳۷۰۳ طلبا کی کونسل نے امداد کی اور ان میں سے ۱۷ فی صد کونسل سے امداد حاصل کر سکے -
ان میں ۴۰۰۰ افراد فنی تعلیم کے لئے آئے تھے اور ان کی سفارش برٹش کونسل کے سمندر پار کے نمائندوں نے کی تھی —— ان میں سے نصف نے اپنے اخراجات خود ادا کئے اور کونسل سے صرف مشورے اور امداد حاصل کرتے رہے -

ذاتی مشورے

اس وقت برطانیہ میں ساڑھے نو ہزار طلبہ ہیں اور ان کی دیکھ بھال کی اولین ذمہ داری تو ان اداروں کی ہے جہاں وہ زیر تعلیم ہیں - پھر ان ملکوں کے ہائی کمیشن یا سفارت خانے بھی موجود ہیں جو یہ فرض ادا کرتے ہیں - لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن میں برٹش کونسل ان طلبا کی امداد کرتی رہتی ہے ——
سمندر پار کے طلبا کے لئے کونسل کا ایک مرکز لندن میں ہے اور باقی تمام ایسے دوسرے شہروں میں جہاں یونیورسٹیاں ہیں - کونسل کے دفاتر قائم ہیں —— جہاں سے طلبا اپنی ذاتی بہبود کے لئے ہر قسم کا مشورہ حاصل کر سکتے ہیں -
ایک بات ہر ایک کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جو بھی طالب علم یہاں آتا ہے اسے تین بنیادی ضرورتوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار ہو کر آنا چاہئے - ان کے بغیر اس کی خامیاں دور نہیں ہو سکتیں - اپنے اخراجات کے لئے معقول رقم - انگریزی زبان پر عبور رکھتا ہو تاکہ اپنی تعلیم کے دوران وہ مضمون کو اچھی طرح سمجھ سکے - اور اپنے فارغ اوقات دلچسپی اور مفید طور سے گزار سکے —— جس مضمون میں وہ تعلیم پانے آیا ہے اس کے لئے ضروری قابلیت بھی رکھتا ہو -

ان باتوں کے ہوتے ہوئے برٹش کونسل اس کے قیام کو زیادہ خوشگوار اور کامیاب بنا سکتی ہے جو شاید اس کے لئے خود ممکن نہ ہو سکتا ہو - طلبا کے مرکز میں جا کر وہ برطانوی کتابوں، اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کر سکتا ہے - ان سے مدد لے سکتا ہے - برطانوی اور دیگر ملکوں کے طلبا سے میل جول بڑھا سکتا ہے - اسے جس خاص موضوع سے دلچسپی ہے اس کے متعلق اداروں کے ساتھ اس کا رابطہ کونسل کی وساطت سے پیدا کرایا جا سکتا ہے - وہ یہاں فلم دیکھ سکتا ہے، تقاریر سن سکتا ہے جن میں برطانوی زندگی اور ثقافت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہو - پھر وہ تبادلۂ خیال اور سوالات دریافت کر سکتا ہے - اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ مرکز میں کونسل کے برطانوی اراکین اور رضا کار مددگاروں سے دوستی پیدا کر سکتا ہے - یا برطانوی خاندانوں سے اس کا رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے -

وظائف

طلبا جو برطانیہ آتے ہیں ان میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی بین الاقوامی ادارے مثلاً یونیسکو یا کولمبو پلان کے تحت آتے ہیں -
بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دولت مشترکہ کے ملکوں سے آتے ہیں اور وہاں کی حکومتیں برطانوی حکومت سے کسی معاہدے کے تحت انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے یہاں بھجواتی ہیں بہت سے اور ملک خصوصاً مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ملک بھی اپنے طلبا کو یہاں بھجواتے ہیں -
یہ طلبا خواہ اکیلے آئیں یا جماعت کی صورت میں بندرگاہ یا ہوائی اڈے پر کونسل کے رکن انہیں خوش آمدید کے لئے موجود ہوتے ہیں - یہ لوگ دن رات وہاں موجود رہتے ہیں - ۶۳-۱۹۶۲ء میں قریباً دس ہزار طلبا کا یوں خیر مقدم کیا گیا -
طالب علم کہاں تعلیم جاری رکھے گا - اس کے پیش نظر کونسل [illegible] ہے - اسے سفر، خرید و فروخت - لباس - خوراک - صحت کی دیکھ بھال ایسے امور کے بارے میں علمی مشورہ دیا جائے گا - اسے ایسی جگہ کا پتہ بھی دیا جائے گا کہ جہاں وہ رہائش پذیر ہو سکتا ہے اور جو اس کی مالی حیثیت کے مطابق بھی ہے اور اس کی درسگاہ سے قریب بھی ہے —— اس کے لئے ایک فہرست تیار رکھی جاتی ہے جس میں ان تمام امور کا خیال رکھا جا سکتا -
یہ کام کس قدر بڑھ چکا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۲ء میں صرف تین ہزار کے قریب طلبا کو مستقل رہائش تلاش کرنے میں مدد دی گئی - لیکن ۶۳-۱۹۶۲ء میں نو ہزار طلبا کی رہائش میں امداد کی گئی ہے - طلبا کے لئے رہائش کا مطالبہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ۱۹۶۱ء میں برطانوی حکومت نے تیس لاکھ پونڈ اس کے لئے منظور کئے کہ سمندر پار کے طلبہ کے لئے جو فلاح و بہبود کے ادارے کام کر رہے ہیں ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے -

نئی جگہوں کی بہم رسانی

اس میں سے زیادہ تر رقم ۵ ہزار طلبہ کے لئے ان ہوسٹلوں میں نئی جگہوں کی بہم رسانی پر خرچ کی گئی ہے جو رضا کار اداروں کی طرف سے قائم ہیں - سمندر پار سے آنے والے طلبا کا استقبال کرنے والی جماعتوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے ان میں "دی ایسٹ اینڈ ویسٹ فرینڈ شپ کونسل —— روٹری - راؤنڈ ٹیبل - دی وکٹوریہ لیگ - دی رائل اور سیز لیگ - دی رائل کامن ویلتھ سوسائٹی - دی نیشنل یونین آف سٹوڈنٹس - دی انگلش سپیکنگ یونین اور کئی گرجے شامل ہیں —— ان میں لندن کانفرنس آن اور سیز سٹوڈنٹس - رابطہ کا کام دیتی ہے اور اس کی مجلس قائمہ ہر ماہ ایک اجلاس کرتی ہے جس کے لئے برٹش کونسل کی طرف سے سکرٹریٹ مہیا کیا گیا -
برٹش کونسل کے اپنے ہوسٹل بھی ہیں جو اعلیٰ پائے کے ہیں ان میں ایک ہاؤس کریسٹ لندن میں ہے اور یہ ہوسٹل کوئی اعلیٰ قسم کا ہوسٹل دکھائی دیتا ہے - دراصل ایک زمانے یہ ہوٹل ہی تھا - ابھی تک اس کی لکڑی کی سیڑھی اور ڈرائنگ روم موجود ہیں - اس کے اندر ایک آرٹ گیلری بھی ہے جہاں طلبا اپنی مصوری کی نمائش کر سکتے ہیں - ایک تھیٹر بھی

بقیہ - قصہ پہلے طوطے کا ..

کہ تم دیکھتے ہی دیکھتے پرنس عنایت بن گئے ہو اور عیش کر رہے ہو!" مَیں جب یہ بات کر رہا تھا تو جن کہیں قریب ہی کھڑا سن رہا تھا اسے یہ سُن کر طیش آگیا کہ ہم نے اسے بیوقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا ہے۔

جن تاؤ کھا کر وہاں سے نکلا اور سیدھا وزیراعظم کی بیٹی کو جا دبوچا۔ ہمیں اس کی موجودگی اور اس انتقامی کارروائی کا قطعاً علم نہیں تھا تاآنکہ ایک روز وزیراعظم انتہائی پریشانی کے عالم میں پرنس عنایت کے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا:۔

"حضور! جو بیماری شہزادی کو لاحق ہوئی تھی اس میں میری اکلوتی بیٹی بھی مبتلا ہو گئی ہے۔ خدا کے لئے آپ اس کی زندگی بچائیں ــــ"

پرنس عنایت نے وزیر کو تو یہ کہہ کر ٹرخا دیا کہ وہ اس کا علاج ضرور کرے گا۔ لیکن جب وزیراعظم چلا گیا تو اس نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ مَیں جلدی سے اُڑ کر اس کے پاس پہنچا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اگر وہ علاج کے لئے وہاں گیا تو ظاہر ہے کہ جن اس کی ہڈیاں تک چبا جائے گا۔ صورتِ حال واقعی خطرناک تھی۔ تاہم مَیں نے اسے تسلی دی اور مشورہ دیا کہ وہ وزیراعظم کو ٹرخاتا رہا۔ دوسری طرف لڑکی کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔ ایک روز پرنس عنایت کو بادشاہ نے دربار میں طلب کیا۔ وہاں وزیراعظم کہہ رہا تھا:۔

"بادشاہ سلامت! مَیں تیس سال سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں۔ لیکن مجھے بے حد افسوس ہے کہ اب مَیں یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ جو بادشاہ اپنے وزیراعظم کی لاڈلی اور اکلوتی بیٹی کی جان بچانے کے لئے کوئی قدم نہ اُٹھا سکے اس کی نوکری کرنا سراسر تضیع اوقات ہے"

بادشاہ نے غضب ناک نظروں سے پرنس عنایت کی طرف دیکھا، اور کہا تم نے ہماری وزیراعظم کی بیٹی کا علاج کیوں نہیں کیا۔ کل تک اس کا علاج شروع کر دو ورنہ مَیں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

پرنس عنایت وہاں سے وعدہ کر کے واپس آگیا کہ وہ مریضہ کا علاج ضرور کرے گا۔ واپس پہنچا تو اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر روتے ہوئے کہا "دوست! اب میں چند لمحوں کا مہمان ہوں اگر علاج کرنے کے لئے جاتا ہوں تو جن مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا اور اگر وہاں نہیں جاتا تو بادشاہ میری گردن اڑا دے گا" یہ سُن کر مَیں بھی بے حد پریشان ہوا۔ تاہم مَیں نے اسے اطمینان دلانے کے لئے کہا کہ تم آرام کرو میں اس خطرناک صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کوئی تجویز سوچتا ہوں۔ ساری رات میں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا کچے آم کھا کر غور کرتا رہا۔ آخر مَیں نے ایک حل تلاش کر ہی لیا مَیں صبح اُٹھا اور پرنس عنایت کے کمرے میں پہنچ کر اس کے کان میں اپنا فیصلہ سُنا دیا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا "بہت خوب! مزا آگیا ہے۔ اگر یہ تجویز کامیاب رہی تو مَیں تمہاری چونچ پر سونے کا خول چڑھاؤں گا"

سہ پہر کو پرنس عنایت وزیراعظم کے ہاں پہنچ گیا۔ جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مریضہ لیٹی ہوئی تھی تو جن نے اسے دیکھتے ہی چنگھاڑتے ہوئے کہا۔ "بدعہد۔ کمینے۔ تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی ہے؟ مَیں ابھی تمہیں سرمہ بنا کر رکھ دوں گا" لیکن اس سے پہلے کہ جن اس پر حملہ کرے پرنس عنایت نے بڑی خود اعتمادی سے جواب دیا "دوست! ناراض کیوں ہوتے ہو؟ مَیں اپنے وعدے پر قائم ہوں میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ تم سے یہاں سے چلے جانے کی درخواست کروں بلکہ میں تمہیں ایک انتہائی خوفناک خبر سنانے کے لئے آیا ہوں" جن نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں خیر تو ہے؟" پرنس عنایت نے چیخ کر جواب دیا "خیریت نہیں ہے! وہ حرام زادی شہزادی سکینہ اس شہر میں پہنچ گئی ہے اس نے طوطے کو ہلاک کر دیا ہے اور اب تمہاری طرف آ رہی ہے!" جن نے جب یہ سنا تو وہ چیخ مار کر کھڑکی کے راستے نکل کر بھاگ گیا اور آج تک واپس نہیں آیا۔ وزیراعظم کی بیٹی تندرست ہو گئی اور پرنس عنایت پھر محل میں قہقہے لگانے لگا۔

طوطوں کے جھنڈ میں بیٹھے ہوئے ایک گنجے طوطے نے بڑے قنوطی انداز میں کہا۔ "خوب ہے! لیکن پیارے وہ چونچ پر سونا چڑھانے کا جو وعدہ تھا اس کا کیا ہوا؟"— طوطے نے جواب دیا۔ "اس کا یہ ہوا کہ پرنس عنایت نے ماہر کاریگروں کو بلا کر میری چونچ کا ماپ دیا اور سونے کا ایک خول جس پر ایک بیش قیمت ہیرا بھی جڑا ہوا تھا میری چونچ پر فٹ کروا دیا۔ یہ خول کوئی تین ماہ میری چونچ پر چڑھا رہا۔ اسی دوران شہر کے تمام شکاریوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ شہر میں ایک سنہری طوطا دیکھا جا رہا ہے۔ بس پھر کیا تھا درجنوں شکاری میری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے میری یہ حالت تھی کہ میں شاہی محل سے باہر پر تک نہیں نکال سکتا تھا۔ ایک دن میں جرأت کر کے ایک نواحی باغ کی سیر کے لئے چلا گیا۔ زمین پر کچھ کچے آم پڑے تھے۔ مَیں نے سوچا کہ فرنی، پلاؤ، قورمہ اور چوری کھاتے کھاتے اکتا گیا ہوں۔ ذرا آموں سے منہ کا مزا بدلنا چاہیئے۔ میں نے احتیاطاً ادھر اُدھر دیکھا۔ دُور دُور تک کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا تھا مَیں اُڑ کر ان آموں کے قریب بیٹھ گیا۔ اچانک مجھے جھرجھری سی آئی مَیں نے دیکھا تو جال میں پھنسا ہوا تھا۔ لمبی لمبی گھاس سے ایک شکاری باہر نکلا اور مجھے دیکھ کر خوشی کے مارے ناچنے لگا۔ مجھے اپنی موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ تاہم میں نے رہائی کے لئے کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور شکاری سے کہا کیوں صاحب! یہ کہاں کی شرافت ہے؟ شکاری نے مجھے جب باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو وہ اور خوش ہوا اور مجھے جواب دیا "شکار میں شرافت کہاں سے آ گئی؟ سارے شہر کے شکاری تمہیں پکڑنے کے لئے دن رات مارے مارے پھر رہے تھے۔ میں خوش نصیب ہوں کہ تم میرے ہاتھ آ گئے ہو" مَیں نے سوال کیا تم لوگ مجھے کیوں پکڑنا چاہتے تھے؟ شکاری نے جواب دیا: "یہ سونے کی چونچ اور اس پر یہ ہیرا، میری غربت تو ختم ہو جائے گی"۔ میں نے شکاری سے کہا کہ وہ میری چونچ کا خول اتار لے اور مجھے چھوڑ دے۔ شکاری نے جواب دیا "بات تو معقول ہے لیکن تمہارے جیسے زیرک طوطے کو بھی تو بیچ کر مجھے کافی پیسے مل جائیں گے" مَیں نے اسے چکر دیا۔ "یہ بات درست ہے۔ لیکن تمہیں شائد اس بات کا علم نہیں ہے کہ قدرتی طور پر ہر ہفتے میری چونچ پر سونے کا خول چڑھ جاتا ہے۔ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو مَیں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مَیں ہر ہفتے تمہارے پاس پہنچ جایا کروں گا اور تم سونے کا خول اتار کر بیچ لیا کرنا ــــ اس شریفانہ معاہدہ کے بعد شکاری نے خول اُتار لیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ مَیں جب محل میں واپس پہنچا تو پرنس عنایت مجھے دیکھ کر غصے میں آگیا اور بڑی بدتمیزی سے کہا "وہ خول اور ہیرا کہاں ہے؟" مَیں نے اسے ساری بات سنائی تو اس نے جواب دیا۔ "تم بکواس کرتے ہو تم نے یقیناً وہ خول اور ہیرا بیچ کر کوئی فحش فلم دیکھی ہو گی۔ تم عیاش اور بدچلن ہو گئے مَیں تمہاری ٹانگیں توڑ دونگا ــــ" پرنس عنایت کا یہ رویہ دیکھ کر میں وہاں سے دل برداشتہ ہو کر اُڑا اور اس کے بعد آج تک واپس نہیں گیا"

WEEKLY
IQDAM
LAHORE

جلد ۱۴
شمارہ ۱۶
۱۹ اپریل ۱۹۶۴ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۸۱۷
فون نمبر ۴۰۴۰

اقبال کا پیغام
اقبالیوں کے نام . . .

خودی کے نگہباں کو ہے زہرناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
فرو فالِ محمود سے درگزر
خودی کو نگہ رکھ ایازی نہ کر
وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صوت
یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
یہ عالم یہ بت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی یہ ہے منزلِ اوّلیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

خودی شیرِ مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود
ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیِ فکر و کردار کا
یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت
حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

(ساقی نامہ سے اقتباس)

میاں محمد شفیع پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور سے چھپوا کر دفتر ویکلی اقدام میکلوڈ روڈ لاہور سے شائع کیا ●